مجلس ادارت

۱۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی　　۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد

۳۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی　　۴۔ ضیاء الدین اصلاحی

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے　　فی شمارہ سات روپے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپے

دیگر ممالک میں سالانہ　ہوائی ڈاک　بیس پونڈ　یا　بتیس ڈالر

بحری ڈاک　سات پونڈ　یا　گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ۔ حافظ محمد یحیی　شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
کمیشن ۲۵% ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

معارف

جلد ۱۵۹　ماہ شوال المکرم سنہ ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۹۷ء　عدد ۲

فہرست مضامین

شذرات

چند ماہ پہلے اعظم گڑھ میں مولانا سید سلیمان ندویؒ پر ایک سمینار ہوا تھا جس کی مختصر مگر جامع روداد معارف میں شایع ہوچکی ہے، سمینار کے انعقاد کا اعلان ہوتے ہی بعض حلقوں سے یہ آواز بلند ہونے لگی کہ اسے دارالمصنفین یا ندوۃ العلما کو کرنا چاہیے تھا جن کی آبیاری مدت العمر حضرت سید صاحبؒ کرتے رہے۔ سمینار کے انعقاد کے وقت بھی یہی باتیں کانوں میں پڑتی رہیں تو خاکسار کو بھی کچھ لب کشائی کرنا پڑی، اب بھی رہ رہ کے یہی صدا بلند ہوتی رہتی ہے اور اس کے متعلق خطوط و مراسلات بھی چھپتے رہتے ہیں، یہاں اسی تعلق سے کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ ہی نہیں، دارالمصنفین کے نظام اور اس کے شعبۂ علمی سے ایسی ہمہ جہت اور قد آور شخصیتیں وابستہ رہی ہیں جن کے خدمات اور کارنامے فراموش نہیں کیے جاسکتے۔ ان کے حالات اور کمالات کا چرچا ایک بار نہیں بار بار ہوتا رہنا چاہیے۔ ان سب میں علامہ شبلیؒ کی حیثیت نیر اعظم کی ہے، جن کی علمی ضوفشانی سے پوری دنیا منور ہے، اس لیے ان کا حق سب پر مقدم ہے۔ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی شخصیتیں بڑی جامع، ہمہ گیر اور بین الاقوامی تھیں، ایسی جلیل القدر اور مایۂ ناز ہستیوں پر کسی ایک جماعت یا ادارہ ہی کا حق نہیں ہوتا بلکہ یہ تمام لوگوں اور پوری قوم، پورے ملک اور پوری دنیا کی ملکیت ہوتی ہیں اس لیے ان کی یاد منانے اور ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کا حق بھی سب کو ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ہندوستان اور پاکستان کے مختلف حلقوں کی طرف سے ان پر سمینار بھی ہوتے رہتے ہیں اور مختلف مصنفین کی کتابیں بھی چھپتی رہتی ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے زمانے میں سمینار اور کانفرنسوں کا رواج نہیں تھا، انہوں نے اپنے استاد و مربی علامہ شبلیؒ کے حالات اور کارناموں کو نمایاں کرنے کے لیے ان کی یادگاروں کو جن میں دارالمصنفین سب سے مہتم بالشان ہے مستحکم کرنے اور ترقی دینے کے لیے سعی بلیغ کی۔ ان کی متفرق تحریروں،

مقالات، خطبات، مکتوبات اور منظومات وغیرہ کو نہ جانے کہاں کہاں سے یکجا کر کے کئی کئی جلدوں میں شایع کیا اور وقتاً فوقتاً ان پر مضامین بھی لکھے اور سب سے آخر میں تقریباً ایک ہزار صفحے پر مشتمل ان کی ضخیم لائف لکھی جو اردو کے سوانحی ذخیرہ میں اپنی مثال آپ ہے، خود مولانا سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد ندوۃ العلما میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دعوت پر ایک بڑی کانفرنس ہوئی جس میں سید صاحبؒ پر مفید مضامین بھی پڑھے گئے اور بصیرت افروز تقریریں بھی ہوئیں۔ دارالمصنفین نے رسم عام کی پیروی نہ کرنے کے باوجود معارف کا سلیمان نمبر شایع کیا اور حیات شبلی ہی کی طرح مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے حیات سلیمان کے نام سے ان کی ضخیم سوانح عمری لکھی اور ان کے متفرق مضامین، شذرات اور دوسری نوع کی تحریریں جمع کر کے شایع کیں۔ ان کے اور علامہ شبلیؒ کے تعلق سے معارف میں برابر مضامین چھپتے رہتے ہیں۔

دراصل عظیم افراد و اشخاص کو خراج عقیدت پیش کرنے کا زیادہ مفید، بہتر اور مناسب طریقہ یہی ہے کہ ان کی یادگاروں کو استحکام و دوام عطا کرنے کی پوری کوشش کی جائے اور انہوں نے جو کچھ لکھا اور کہا ہے اس کا ایک ایک حرف اور ہر ہر لفظ قوم کے سامنے برابر پیش کیا جاتا رہنا چاہیے، اس سے پہلے ان صفحات میں اس کا ذکر بار بار آچکا ہے کہ اس وقت دارالمصنفین اور خود علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی اکثر تصانیف ختم ہوگئی ہیں اور جو ہیں وہ گھسی پٹی پلیٹوں پر ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جارہی ہیں، اس لیے سب کے صاف، صحیح اور محقق اڈیشن شایع کرنے کی ضرورت ہے، لیکن اس کے لیے مزید کارکنوں کا اضافہ اور خاصا سرمایہ درکار ہے، اسی لیے یہ اپیل بھی کی جاتی رہی ہے کہ اگر دارالمصنفین خصوصاً علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ایک ایک کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری چاہے فرداً فرداً یا کئی کئی اشخاص مل کر بھی قبول کرلیں تو اس میں تیزی آسکتی ہے، مگر ابھی تک یہ اپیل کارگر نہیں ہوسکی ہے۔ جو لوگ دارالمصنفین کو مزید

فعال اور مستحکم بنانے کی تجویزیں پیش کرتے ہیں انہیں اسی حیثیت سے خاص طور پر اس کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔ قوم خواہ اپنا فرض ادا کرے یا نہ کرے ہم وابستگان دامن شبلی و سلیمان اپنا فرض خود ادا کرتے رہیں گے، ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس مقدس کام کے لیے بار بار اپنا سوال دہراتے رہیں۔

گزشتہ مہینے سے معارف میں قدرے تلخ لب و لہجہ میں سید صاحبؒ سے متعلق ایک کتاب پر جو عالمانہ تبصرہ شایع ہو رہا ہے۔ اس کے مصنف اپنی تحقیق کے سلسلے میں دارالمصنفین بھی تشریف لائے تھے اور جناب سید صباح الدین عبد الرحمن مرحوم نے انہیں ہر طرح کی سہولت بھی بہم پہنچائی تھی، مگر علی گڑھ کے سید سلیمان ندویؒ سمینار میں انہوں نے علامہ شبلیؒ کی مذمت و تنقیص پر مشتمل اپنا مقالہ پڑھا تو مرحوم کو بڑا تکدر ہوا اور انہوں نے احتجاجاً سمینار میں نہ شرکت کرنے کا فیصلہ کر لیا مگر سید حامد صاحب وائس چانسلر کی یقین دہانی پر انہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا، اب یہ تحقیقی مقالہ کتابی صورت میں شایع ہوا تو مصنف نے معلوم نہیں کیوں اسے دارالمصنفین بھیجنا پسند نہیں کیا اسی لیے ہم کو جناب سبط محمد نقوی صاحب سے نہایت مخلصانہ تعلق کے باوجود ان کا تبصرہ شایع کرنے میں تامل تھا کہ جو کتاب ہمیں ملی ہی نہیں، اس کے لیے معارف کے صفحات کیوں وقف کیے جائیں مگر اس تبصرہ کے پڑھنے سے اندازہ ہوگا کہ اس کی اشاعت ضروری تھی اور یہ فرض کفایہ ادا کر کے نقوی صاحب نے ہم سب کو ممنون کرم فرمایا۔ یونیورسٹیوں میں ریسرچ اور تحقیق کے پست معیار کا جو گلہ آج کل کے فاضل مدیر جناب محبوب الرحمن فاروقی کر رہے ہیں اس میں وہ بالکل حق بجانب ہیں یہ تحقیق انیق اس کا بین ثبوت ہے۔

طویل عرصہ کے بعد الغزالی کا صاف اور دیدہ زیب نیا اڈیشن چھپ گیا ہے، کاغذ اور سامان طبع کی گرانی کے باعث دارالمصنفین کی کتابوں کی قیمت میں جنوری ۱۹۹۷ء سے اضافہ کر دیا گیا ہے۔ نئی فہرست کتب بھی شایع ہوگئی ہے اور اب پچھلی فہرستیں مسترد ہوگئی ہیں۔

مقالات

توراۃ و انجیل کی دو بشارتیں

جن کے مصداق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

از
ڈاکٹر مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری

اسلام نسخہ شفاء یہ حقیقت ہے کہ کمیونزم، سرمایہ داری، عزلت نشینی، رہبانیت، موجودہ مسیحیت اور مغرب کا فلسفہ عصر حاضر کی بیماری کے علاج میں ناکام ہو چکے ہیں۔

ہماری رائے میں اس جانکاہ مرض کا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فطرت بشری کے سب سے بڑے نبض شناس جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیں اور ان کے نسخہ شفا (قرآن و سنت کا قانونِ اسلامی) کو اپنا لیں کیونکہ تاریخ انسانیت شاہد ہے کہ جب جب اس نے اس دوا کو استعمال کیا، بیماریوں سے اسے کامل و مکمل شفا حاصل ہوگئی!

اسلام انسان کو تمدن، تہذیب، ترقی اور شہریت سب کی دعوت دیتا ہے، لیکن اسلامی تہذیب و تمدن کی اصل اولین یہ ہے کہ خدا کا دین اور اسکی شریعت دنیا میں نافذ ہوگی اور اس کے زیر سایہ ایسی ترقی ہوگی کہ چشم فلک حیران ہو جائیگی اور جاننے والے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یورپ کی جدید صنعتی ترقی میں کہاں تک اسلامی علوم و تہذیب اور ترجموں کا ہاتھ ہے گو ان دونوں تہذیبوں میں

خاص فرق ہے۔ اسلامی تہذیب امن و سلامتی کا پرچم اور تمدن و ثقافت کا مرکز بنی ہوئی تھی کیونکہ اس کا رشتہ اللہ سے جڑا ہوا تھا اور روحانیت کے شعلے اس میں موجود تھے اکبر کی زبان میں سہ

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے   سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

لیکن جدید مغربی ترقی جنگ اور ظلم کی دعویدار بنی ہوئی ہے اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکی ہے کیونکہ اس کا رشتہ خالق کائنات سے ٹوٹ چکا ہے، اس لیے اس زہر کا علاج لبنان کے صحرا میں نہیں، مکہ کے صحرا میں ہے وادی سینا اور شعیر کی چٹانوں میں نہیں بلکہ کوہِ فاران کے پاس ہے۔

حضرت موسیٰ کی پیشین گوئی | بائبل کی زبان میں حضرت موسیٰ کی توراۃ کے آخری باب میں اپنی وفات سے قبل بنی اسرائیل کو جو برکت دی اس میں اس طرح کہا:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے ایک آتشی شریعت تھی" (استثناء ۲:۳۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی بالکل واضح ہے، لاکھوں کے لفظ پر بحث کی ضرورت بھی نہیں تاہم علمی امانت کے طور پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اس لفظ کی اصل کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ اصل میں کیا تھے، کوثر نیازی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"کتاب مقدس میں پہلے دس ہزار کے الفاظ تھے مگر جب اہل اسلام نے اس تعداد کو حضور کے صحابہ پر منطبق کر کے آپ کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچانا شروع کیا تو اس کتاب مقدس میں یہ الفاظ بدل دیے گئے اب دس ہزار کی جگہ لاکھوں کے الفاظ ہیں[1]"

۱؎ آئینہ تثلیث مولفہ مولانا کوثر نیازی صفحہ ۱۲۲۔

یہ بات بالکل صحیح اور مدلل ہے اور اس دعوے کی دلیل آگے چل کر اس طرح دی گئی ہے کہ:

"سیکوفیلڈ ریفرنس بائبل ۱۹۱۷ء کے انگریزی ترجمہ میں دس ہزار قدسیوں کے الفاظ موجود ہیں[1]"

ربوہ کی تحقیق | لیکن حال کے اردو ترجموں میں لاکھوں کا لفظ ہے، اس کی وجہ عربی ترجمہ میں ربوات کا لفظ ہے جس پر زیر و زبر نہیں ہے، اس لفظ کی تحلیل کے لیے لغت کی مدد ضروری ہے، عربی لغت میں ربوہ دس لاکھ کو کہتے ہیں اور ربوہ بڑی جماعت مانند دس ہزار کو[2]

اس لیے اس جگہ دونوں کا احتمال ہو سکتا ہے حضرت سلیمان کے نشید الانشاد میں ربوہ کا لفظ موجود ہے جس سے مراد دس ہزار ہیں جو اردو ترجمہ میں بھی موجود ہیں۔

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے" (غزل الغزلات ۵:۱)

اس تفصیل سے نفس پیشین گوئی پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ تحریف کتاب پر کوئی حیرت ہوتی لیکن ہاں۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (النساء: ۴۶)   الفاظ کو اس کے محل سے پھیر دیتے ہیں، یعنی بدل دیتے ہیں۔

ضرور مل جاتا ہے۔ کیونکہ ہزار یا لاکھ کا لفظ محض کثرت تعداد کے اظہار کے لیے بولا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ فتح مکہ کے دن اگر دس ہزار اسلام کے سپاہی موجود تھے تو جس دن

۱؎ آئینہ تثلیث مولفہ مولانا کوثر نیازی: ص ۱۴۱ ۲؎ ۵۳ مصباح اللغات: مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، مادہ: ربی۔

شریعتِ الٰہیہ مکمل ہوئی یعنی حجۃ الوداع اس دن اس سے بہت زیادہ مسلمان وہاں
بر سرِ بسجود تھے۔

الغرض حضرت موسیٰؑ کی موت سے قبل دی گئی پیشین گوئی حرف بحرف ثابت ہوئی
حضرت عیسیٰؑ کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فاران سے آئے اور جہاد ساتھ
لائے نیز ایسی کامل ایسی و مکمل شریعت بھی لائے جو قیامت تک انسانوں کو راہِ راست
دکھائے گی۔ پیشین گوئی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے حضورؐ کے بعد
کسی آنے والے کی بشارت نہ دی جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کی شریعت تا قیامت
چلتی رہے گی۔

ایلیاؑ یا مسیحؑ مراد نہیں ہو سکتے | پیشین گوئی سے حضرت ایلیا (الیاس علیہ السلام) بزعم یہود
اس لیے مراد نہیں ہو سکتے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق قیامت سے قبل آئیں گے، فاران
سے شام میں ہے، گو کتاب مقدس کے شارح فاران سے شام کا علاقہ مراد لیتے ہیں اسکی
تفصیل انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر کی جائے گی، نیز حضرت موسیٰ نے اس آخری
پیشین گوئی سے پہلے بھی جس آنے والے کی بشارت دی ہے وہ ہم یہاں برسبیل تذکرہ نقل
کرتے ہیں، تفصیلی بحث "بشارات محمدؐ کتب مقدسہ میں" جیسی کتاب میں کی جائے گی۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے
میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا، یہ تیری اس درخواست کے مطابق
ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی"۔ ... میں ان کے
لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے
منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا (استثناء ۱۸: ۱۵-۱۹)

حضرت الیاسؑ موسیٰؑ کی نسل سے نہیں ہیں بلکہ ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے تھے۔
جو موسیٰؑ کی مانند صاحب کتاب و شریعت نبی بھی نہیں تھے۔

حضرت عیسیٰؑ بن باپ پیدا ہوئے بلکہ مسیحی تو ان کو ابن اللہ مانتے ہیں، وہ موسیٰؑ کے
بھائیوں میں کیسے ہو سکتے ہیں، نیز حضرت عیسیٰؑ صاحب شریعت نہیں تھے، صاحب بشارات
تھے اور خود حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے متبع تھے، جہاد کا حکم بھی نہیں دیا تھا۔

صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی بشارت کا مصداق ہیں کہ آپ اسحاق کے بھائی اسمٰعیل
کی اولاد میں سے ہیں، حضرت موسیٰؑ ہی کی طرح صاحب شریعت و جہاد ہیں، تاریخ بنی اسرائیل
شاہد ہے کہ موسیٰؑ کی مانند کوئی نبی نہیں آیا تو پھر قیامت سے پہلے جو بھی آئے گا، اب شریعت
محمدیہ کے تابع ہوگا، مستقل بالذات نہیں ہوگا۔

حضرت مسیحؑ کی بشارت | کامل حق لے کر جلوہ گر ہونے کی بشارت حضرت مسیحؑ نے بھی
دی ہے اور حضرت موسیٰؑ کی طرح آخری زمانہ میں دی ہے :

"اس کے بعد میں تم سے زیادہ باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے (یوحنا ۱۴: ۳۰)

آگے چل کر یوحنا ہی کی انجیل میں اس طرح تفصیل ہے :

"انہوں نے مجھ سے مفت عداوت رکھی۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا، جس کو میں تمہارے
پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی
دے گا (یوحنا ۲۶ : ۲۷)

یوحنا ہی کے مزید جملے ملاحظہ ہوں :

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں
نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس

بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ و راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں، اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔

لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو سنے گا وہ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا اور میرا جلال ظاہر کرے گا۔ (یوحنا ۱۶ : ۷-۱۵)

ہمارا مقصد اس مضمون میں بشارتیں جمع کرنا نہیں ورنہ بائبل کے عہد عتیق و عہد جدید سے بے شمار ایسی بشارتیں جمع کی جا سکتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرور و سردار بنا کر مبعوث کیے جانے کی وضاحتیں موجود ہیں، لیکن سیاق کلام میں صرف انجیل یوحنا کی یہ بشارت آگئی جس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

انبیاء پر گواہ دنیا و آخرت میں | دوسری بات یہ ہے کہ یہود نے جو تہمت آپ پر لگائی تھی اس سے آپ کو بری کرنا نیز مسیحیوں نے جو افسانے گڑھ رکھے تھے ان کا پردہ کون چاک کرے گا؟ یہ وہی روح حق جب آئے گا تو کرے گا اور میرے خلاف کہی گئی باتوں کو رد کرے گا اور میرے حق میں گواہی دے گا، یہ صحیح ہے کہ اور اس سے مراد بھی رسول انور ہی ہیں واضح آیت ملاحظہ ہو:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ

سوچو اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے

شَهِيدًا۔ (النساء : ۴۱)

اور ان لوگوں پر تمہیں گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

یہ بات معلوم و معروف ہے کہ قیامت سے پہلے اس زمانہ میں بھی جناب رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کے پیغمبر ہونے کی گواہی دی!

دنیا کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہیں لاتے، یہود حضرت مریم پر کیسے بہتان باندھتے ہیں (النساء : ۱۵۶)

نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کو نبی ماننا تو الگ رہا ان کے کامل انسان تک کے قائل نہیں بلکہ "بدروحوں کا سردار" (متی : ۱۲ : ۲۴) اور "دھوکہ باز" (متی : ۲۷ : ۶۳) اور "کفر بکنے والا" (متی : ۲۶ : ۶۵) وغیرہ جیسی ناشائستہ تہمتیں آپ پر لگاتے تھے اور کفر و فساد اور انکار میں اس طرح افراط کرتے تھے لیکن ان کے برخلاف مسیحی تھے جو عظمت و تکریم میں اس طرح افراط کرتے تھے کہ نعوذ باللہ بندہ کو آقا، خادم کو سردار، مخلوق کو خالق اور انسان کو ابن اللہ اور پھر اللہ کی حاکمیت میں شریک اور ملکوت الٰہی کا پورا حق دار جس کو کفارہ کی صورت میں خطاؤں کو بخشنے اور ہر اس چیز پر قدرت کاملہ ہو جو خدائے وحدہٗ کے تصرف میں ہے، یہ عقیدہ صرف عقلی طور پر ہی ہذیان نہیں بلکہ ہر دینی اور فطری تقاضے کے خلاف ہے۔ قرآن پاک نے اس سلسلہ میں حضرت مسیحؑ کی پوزیشن صاف کی اور کئی کلی اصول بنائے۔

حاکمیت خدا کی ہے | پہلا اصول تو یہ ہے کہ حاکمیت صرف خدا کی ہے۔

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط (اعراف : ۵۴)

خبردار ہو جاؤ اسی کی مخلوق ہے یعنی وہی ان کو پیدا کرتا ہے اور اس لیے

اسی کی حکومت واقتدار ہے۔

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (المومنون: ۸۸)

کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کے قبضہ میں ہے اور کون ہے وہ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

اور ہر مسلمان کے لیے ایک مسلم ومقرر قاعدۂ بندگی ہے۔

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ (الروم: ۲۶)

اس کے بندے ہیں سب جو آسمانوں میں ہیں یا زمین میں، سب اس کے تابع فرمان ہیں۔

کفارہ نہیں، ہر شخص خود ذمہ دار

۲:- دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنے اعمال کا ذمہ دار خود انسان ہے اور دوسرا کوئی اس کا کفارہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم: ۳۸-۳۹)

کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور انسان کو اس کی سعی یعنی کوشش وعمل ہی کا بدلہ ملے گا۔

مقرب بندے

۳:- تیسرا اصول یہ کہ خدا یکتا ہے کوئی اس کی آل اولاد نہیں، کوئی شریک وہمسر نہیں، سب اس کے تابع فرمان بندے ہیں، فرشتے مقرب ومکرم بندے ہیں اسی طرح انبیاء وصالحین بھی لیکن ان میں سے کوئی بھی خدائی کی صفات واختیار کا حامل نہیں سب خوف خدا سے لرزاں وترساں رہتے ہیں:-

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانبیاء ۲۶-۲۸)

اور کہتے ہیں رحمان اولاد رکھتا ہے، سبحان اللہ بلکہ (فرشتے تو) بندے ہیں مکرم ومعزز اس کے حضور بڑھ کر نہیں بولتے اور اس کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں جو کچھ ان کے سامنے ہے یا ان سے اوجھل ہے وہ سب جانتا ہے وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کی سفارش پر وہ راضی ہو یعنی اجازت دے اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو کوئی بھی ان میں سے کہدے کہ اللہ کے سوا میں بھی ایک خدا ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں ہم ظالموں کو یہی بدلہ دیتے ہیں۔

قرآن پاک کے ذریعہ جناب رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین اہم اصول بیان کرکے حضرت مسیحؑ کی پوزیشن بالکل صاف کردی۔ نہ ان کی الوہیت باقی رہی نہ فدا کاری کی ضرورت اور نہ بنوت واقانیم ثلاثہ کا چکر۔ ان تینوں متفرق اصولوں کو حضرت مسیحؑ کے سلسلہ میں اس طرح ایک آیت میں یکجا کیا گیا ہے جو بڑی جامع ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ

اے اہل کتاب (مراد مسیحی ہیں) اپنے

دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ
كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَ
رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ
اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ
يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِى
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا لَنْ يَّسْتَنْكِفَ
الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ
وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ
وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ
وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ
اِلَيْهِ جَمِيْعًا
(النساء: ۱۷۱-۱۷۲)

دین میں غلو نہ کرو یعنی حد سے تجاوز
نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا
کوئی بات منسوب نہ کرو، بیشک مسیح
ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ
کا ایک رسول تھا اور ایک کلمہ یعنی حکم
و فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف
بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف
سے، پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر
ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں، باز
آجاؤ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اللہ
تو بس ایک ہی ہے، وہ پاک ہے اس
سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو آسمانوں اور
زمین کی ساری چیزیں اس کی ملک
ہیں اور ان کی کفالت و خبر گیری
کے لیے بس وہی کافی ہے، مسیح نے
کبھی اس بات کو عار نہ سمجھا کہ وہ اللہ
کا بندہ ہے اور نہ مقرب ترین فرشتے
(بندگی کو) اپنے لیے عار سمجھتے اگر
کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور

تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا
جب وہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے
حاضر کرے گا۔

قرآن نے اس طرح مسیح کے لاہوتی و ناسوتی حالات پر جو جھگڑے تھے، ان کا دروازہ بند کیا اور رسول اور کامل بندہ ثابت کیا دوسری طرف آپ پر سے اس غبار کو دور کیا کہ آپ ذلت و مسکنت کے ساتھ سولی پر چڑھے بلکہ یہ بتایا کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے:

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ
شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ
الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا
(النساء: ۱۵۷-۱۵۸)

اور ان کے اس قول (کی وجہ سے
بھی ان پر لعنت و ملامت ہے کہ)
ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا
ہے، حالانکہ فی الواقع انہوں نے
نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا
بلکہ معاملہ ان پر مشتبہ کر دیا گیا اور
جن لوگوں نے ان کے بارے میں
اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک
میں مبتلا ہیں انہیں اس معاملہ کا
کوئی علم نہیں محض گمان کی پیروی ہے
انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا
بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا

اللہ زبردست طاقت رکھنے والا
اور حکیم ہے۔

مسیح کی الوہیت کا دعویٰ یہود و نصاریٰ کا افتراء

اور عیسیٰؑ پر یہود نے جو ظلم کیا اور آپ کو مجرم ٹھہرایا کہ آپ نے الوہیت کا دعویٰ کیا یہ سراسر بے بنیاد اور غلط ہے قرآن پاک نے صاف صاف موقف اختیار کیا اور دعویٰ کیا کہ دعوائے الوہیت کا یہ جرم جو یہود نے نفرت میں اور نصاریٰ نے محبت میں حضرت عیسیٰؑ پر لگایا ہے آپ اس سے بالکل بری ہیں۔ قرآن نے کس قدر دلکش والہانہ تصویر کھینچی ہے ملاحظہ ہو:

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ (المائدہ ۱۱۶-۱۱۷)

جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تونے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو ——— تو وہ خود جواب میں عرض کرے گا سبحان اللہ میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوگا آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں، میں نے ان سے

اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپنے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب۔

نیز رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کا حال اس طرح ظاہر کیا کہ ان کو برگزیدہ انبیاء کی صورت میں کھڑا کیا۔ خدا کی قربت اور دنیا و آخرت کی وجاہت کا اعلان اس طرح کیا۔

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران: ۴۵-۴۶)

اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا، مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا اور وہ صالح بندوں میں سے ہوگا۔

اور ان وضاحتوں کے بعد سرور کائناتؐ نے حضرت عیسیٰؑ پر سے الزامات دور کیے اور دنیا کو قصوروار ٹھہرایا۔

حق کی تفصیل قرآن کی روشنی میں

۴:۔ روح حق کے آنے سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی صفات ہے قرآن پاک میں اس کی بے شمار تصریحات موجود ہیں جنکا تفصیلی ذکر یہاں فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيمِ (بقرہ: ۱۱۹)

ہم نے تم کو حق (بات) کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور اہل دوزخ کے تم جواب دہ اور ذمہ دار نہیں ہو۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (بقرہ: ۲۵۲)

یہ اللہ کی آیات ہیں جنھیں ہم تمہیں حق کے ساتھ یعنی سچ اور ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں اور تم یقیناً رسولوں میں سے ہو۔

تم پر نازل کردہ کتاب، کتب سابقہ کی تصدیق کرتی ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (آل عمران: ۳)

اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔

اس کتاب حق کی غایت یہ ہے کہ اس کے قانون پر حکومت کی جائے اور اسی کی روشنی میں عدالت کے فیصلے کیے جائیں:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (نساء: ۱۰۵)

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

نبی برحق پر روح القدس کے ذریعہ قرآن ہدایت وبشارت وشجاعت پیدا کرنے کے لیے ارسال کیا گیا ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (نحل: ۱۰۲)

ان سے کہو! (قرآن کو) تو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور ہدایت

وبشارت ہے فرماں برداروں کیلئے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (الاسراء: ۱۰۵)

حق کے ساتھ ہم نے (قرآن کو) نازل کیا اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے اور تمہیں ہم نے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کی آمد کو حقانیت، صداقت اور حق کی دلیل بتایا گیا ہے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (اسراء: ۸۱)

اور اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل کی روح نکل گئی یعنی مٹ گیا، باطل ٹوٹنے ہی والا ہے۔

حق کے آنے اور اس میں کسی قسم کا شک نہ کرنے اور مومن اہل کتاب سے اس کے بارے میں پوچھنے کا تذکرہ اس طرح ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یونس: ۹۴)

اگر تجھے اس (ہدایت) کی طرف سے کچھ بھی شک ہو جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ واقع تیرے پاس حق ہی آیا ہے لہذا تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

ساری انسانیت کے لیے رسول برحق پر آئینہ حق نازل ہونے اور ہدایت کی دعوت اس طرح دی گئی ہے۔ یہاں حق سے مراد رسول برحق اور کتاب برحق دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔

(الوم)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنَا
عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (یونس: ۱۰۸)

کہدو کہ لوگو تمہارے پاس تمہارے رب
کی طرف سے حق آچکا ہے اب جو سیدھی
راہ اختیار کرے اس کی راست روی
اسی کے لیے مفید ہے اور جو گمراہ رہے
اس کی گمراہی اسی کے لیے تباہ کن ہے
اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالدار
نہیں ہوں۔

سورۂ زمر (۴۱) میں بھی یہ بات کہی گئی ہے اِنَّا عَلَيْكُمْ کی جگہ اَنْتَ عَلَيْهِمْ ہے آیات الٰہی کو عین حق اس طرح کہا گیا ہے:

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ
(الرعد: ۱)

المرٰ۔ یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں اور
جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر
نازل کیا گیا ہے وہ عین حق ہے مگر اکثر
لوگ مان نہیں رہے۔

رسول کو خاکم بدہن گستاخ، مجنون کہنے والوں کا جواب اس طرح دیا گیا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ
بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ
(المومنون: ۷۰)

کیا کہتے ہیں کہ وہ مجنون ہے؛ نہیں،
بلکہ وہ حق لایا ہے اور حق ہی ان کی
اکثریت کو ناگوار ہے۔

نبی حق کو صریح حق پر ہونے، خدا پر بھروسہ کرنے اور کتاب رحمت و ہدایت کی خبر اس طرح دی گئی:

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ فَتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ
(النمل: ۷۷-۷۹)

اور یہ (قرآن) ہدایت و رحمت ہے
مومنوں کے لیے یقیناً تیرا رب ان
لوگوں کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ
کردے گا وہ غالب اور سب جاننے
والا ہے پس اللہ پر بھروسہ رکھو یقیناً
تم صریح حق پر ہو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب گھڑنے کا الزام لگانے والوں کا پردہ اس طرح فاش کیا گیا۔

الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ
نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ۔
(السجدہ: ۱-۳)

الم یہ کتاب بلاشبہ رب العٰلمین کی
طرف سے نازل کی گئی ہے کیا یہ لوگ
کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑ لیا
ہے؛ نہیں، بلکہ یہ حق ہے تیرے رب
کی طرف سے تاکہ تو متنبہ کرے ایک
ایسی قوم کو جس کے پاس تجھ سے پہلے
کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شاید کہ
وہ ہدایت پا جائیں۔

رسول برحق ارسال کرنے کا تذکرہ سورۂ فاطر میں اس طرح ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ
نَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا

ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔
بشارت دینے والا اور ڈرانے والا

فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر: ۲۴)

اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ۔ (فاطر: ۳۱)

جو کتاب ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے وہی حق ہے تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آئی تھیں، بیشک اللہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر اور ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

حق پر آنے اور رسولوں کی تصدیق کرنے کا تذکرہ یوں ہے:

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ۔ (الصافات: ۳۶)

وہ کہتے ہیں، کیا ایک شاعر مجنون کی خاطر ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، حالانکہ وہ حق لے کر آیا اور رسولوں کی تصدیق کی۔

خدا کی طرف سے کتاب حق کے نزول کے بعد مخلصانہ بندگی کیے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ

اس کتاب کا نزول زبردست اور دانا کی طرف سے ہے، یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے لہذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو اسی کے لیے

الْخَالِصُ (زمر: ۱-۳)

خالص کرتے ہوئے خبردار! دین خالص اللہ کا حق ہے۔

سورۂ شوریٰ (۱۶) میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ہی نے کتاب حق کے ساتھ نازل کی اور میزان یعنی ترازو بھی نازل کیا۔ جس سے مراد اللہ کی شریعت ہے جو ترازو کی طرح تول کر صحیح اور غلط، حق اور باطل، ظلم اور عدل، راستی اور ناراستی اور ایمان و کفر کا فرق واضح کر دیتی ہے۔

سورۂ جاثیہ (۶) میں بھی آیات الٰہی کو حق بتایا گیا ہے اور کفار کے موقف پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے کہ آخر یہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر ایمان لا سکتے ہیں۔

اس کتاب حق ترجمان کو سن کر جنوں نے اپنی قوم سے کہا تھا۔

إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (الاحقاف: ۳۰)

ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے تصدیق کرتی ہے، اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف۔

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب حق پر ایمان و عمل کی دعوت یوں دی گئی ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ

اور جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کیے اور اس چیز کو مان لیا جو محمد پر

الحق من ربھم کفر عنھم سیاٰتھم واصلح بالھم۔ (محمد: ۲)

نازل ہوئی ہے جو ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے اللہ نے انکی برائیاں دور کر دیں اور ان کا حال درست کر دیا۔

رسول پاک کو دین حق وہدایت اس لیے دیا گیا ہے کہ دنیا میں اسے پھیلا دیں۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا (الفتح: ۲۸)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

یہی آیت سورۂ الصف (۹) میں بیان کی گئی ہے اور کفی باللہ شہیدا کی جگہ فرمایا گیا ہے "ولو کرہ المشرکون" یعنی دین کو غالب کرنا ہی فرض ہے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے سورۂ توبہ (۳۳) میں بھی یہ آیت سورۂ صف ہی کے الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔

جو حق کا علم اور حق کا عَلَم (پرچم) ہو، قدیم کتب حق کی تصدیق کرنے والا ہو جس کی کتاب حق، حق وصداقت کے لیے فرقان ہو، جس کی نبوت حقانیت کی دعویدار ہو، جس کا لایا ہوا دین حق کا ترجمان ہو، جو اہل کتاب سے یہ کہتا ہو کہ دین میں غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا کچھ نہ منسوب کرو، جسے حق کو تمام انسانوں تک پہنچانے کی دعوت کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، جس حق کے آجانے سے باطل کی حجت بے دلیل ہو جائے۔ اگر وہ روح حق نہیں ہے تو پھر کون حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی کا روح حق ہوگا، اس سب کی روشنی میں ایک بار پھر بشارت عیسوی کا یہ حصہ پڑھ لیں:۔

"مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔"

سچائی اور ہدایت کی راہ | تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، قرآن پاک کا ارشاد ہے:

والذی جاء بالحق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون۔ (الزمر: ۳۳)

اور وہ شخص جو سچائی لے کر آیا اور جنھوں نے اس کو سچ مانا وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔

دوسری جگہ اہل کتاب سے مخاطب ہو کر کہا:

ویکفرون بما وراءہ وھو الحق مصدقا لما معھم۔ (بقرہ: ۹۱)

اس دائرے سے باہر (یعنی انبیائے بنی اسرائیل کے سوا) جو کچھ آیا اسے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور اس کی تصدیق وتائید کر رہا ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھا۔

بائبل کے عربی ترجمہ میں سچائی کی راہ کے بدلے "جمیع الحق" کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہے پورے حق سے آگاہ کرے گا، حق اور سچائی ہم معنی لفظ ہیں، حق کے سلسلہ کی آیتیں اوپر گزر چکی ہیں، پورے حق یا سچائی سے مراد کامل ومکمل لائحہ عمل اور قانون ہے جس کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:

ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ

ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت

وَبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۔ (نحل : ۸۹)

کرنے والی ہے اور ہدایت ورحمت وبشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ایمان قبول کر لیا ہے۔

ہر بیماری کا علاج ہر مشکل کا حل

ہر چیز کی وضاحت، ہر متن کی تشریح، ہر مشکل کا حل، ہر اعتراض کا جواب، ہر تاریکی کے لیے روشنی، ہر زخم کے لیے مرہم، ہر بیماری کے لیے دوا، ہر ناسور کے لیے علاج، ہر بھٹکے ہوئے کے لیے نشانِ منزل اور ہر انسان کا آخری مطمح نظر، آخری تمنا اور آخری سہارا یہی دین ہے۔ جس میں جامعیت وکاملیت وابدیت کی شان جلوہ گر ہے اور جس کو قیامت تک انسانیت کا دین اس طرح بنا دیا گیا ہے :

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ : ۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

اور جس کے متعلق حضرت مسیحؑ کا ارشاد ہے :

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا : ۱۴-۱۶)

اور یہی کمالِ دین کی پہچان اور ختم نبوت کی دلیل ہے کہ ابد تک اس کی شریعت باقی اور نافذ رہے گی ارشاد الٰہی ہے۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی

رِجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب : ۴۰)

کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اس لیے ابد تک اسی مددگار اور سردار دوسرور کائنات کی پیروی میں انسانیت کی فلاح ہے اور اس کے لائے ہوئے مکمل دین اسلام ہی میں انسانیت کے لیے دنیا وآخرت کی کامرانی وسعادت ہے اور اب قیامت تک جو دین یا ازم یا فلسفہ اس آخری دین کی ہدایت کو قبول نہ کرے گا دوجہاں میں نقصان اٹھائے گا۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (آل عمران : ۸۵)

اس اسلام (فرمانبرداری کی راہ) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز مقبول نہ ہوگا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا۔

روح القدس مراد نہیں ہوسکتے

یہودی تو حضرت مسیح کو نبی ہی نہیں مانتے اس لیے اس پیشین گوئی کو یا حضرت عیسیٰؑ کی کسی بھی پیشین گوئی کو وہ کذب وافترا، بدروحوں کی جعل سازی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مسیحی حضرات اس قسم کی تمام پیشین گوئی کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ان سے مراد روح القدس یعنی فرشتہ الٰہی جبرئیل ہیں لیکن یہ تاویل اس لیے درست نہیں کہ روح القدس تو حضرت مسیحؑ کے آنے سے بھی پہلے سے موجود تھا بلکہ حضرت مریمؑ کے پاس اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰؑ کی روح کو لے کر آیا تھا اور بائبل کے تمام حوالوں سے اور ادیان عالم کی تاریخ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روح القدس انسانوں کے وجود سے پہلے سے

فرشتگان الٰہی کے ساتھ تھا، پیشین گوئی میں وضاحت ہے کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا، حالانکہ روح القدس ہر ہر موقع پر مسیح کے ساتھ تھا، دوم یہ کہ روح القدس نے دنیا میں آکر انسانوں سے مل کر ان کو نہ سچائی کی راہ دکھائی اور نہ مسیح علیہ السلام پر تہمتوں کی صفائی پیش کی۔ یہ ضرور ہے کہ جو کتاب حق خدا نے نبی برحق پر اتاری وہ روح القدس کے ذریعے اتاری لیکن اس حق کی تعلیم، تبلیغ نبی ہی نے دی، توحید کے ذریعے خدا کا جلال ظاہر کیا وغیرہ۔

حضرت عیسیٰؑ بھی مراد نہیں ہوسکتے، یہ بات بالکل واضح ہے، زندگی میں وہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے ماتحت تھے اور دوبارہ جب آئیں گے تو شریعت محمدیؐ کے تابع ہوں گے، نیز حضرت عیسیٰؑ کے بعد اب تک کوئی ان صفات کا نبی بھی نہیں آیا جو بشارات موسیٰؑ و عیسیٰؑ کا مصداق کہلائے۔

اس لیے عقل و بصیرت، تاریخ ادیان اور سلامت روی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس سورج سے زیادہ روشن حقیقت کو انسانیت مان لے کہ وہ آنے والا نبیوں کا سردار خاتم النبیین خدا کا برگزیدہ بندہ، گواہ، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، خیر اور نیکی کی تمام قدروں کو نشر کرنے والا، سراج منیر محمدؐ امی فداہ ابی و امی ہی ہے جس کے ذریعہ دین مکمل ہوا، نعمت تمام ہوئی اور قیامت تک خدا کی رضامندی کا ضامن اسلام بن گیا۔

زبان حق کا ترجمان وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ وہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اس نبی آخر الزماں کی پہچان حضرت موسیٰؑ نے توراۃ میں بھی اسی وصف کے ساتھ بتائی ہے اور قرآن نے بھی حضورؐ کا یہی وصف بتایا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى — تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم: ۳-۴) — وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

قرآن پاک کی بے شمار آیتیں واضح طور پر یہ بتاتی ہیں کہ وہ احکام الٰہی و مواعظ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق مبارک سے ساری عمر جاری رہے وہ یا تو قرآن پاک کے کلمات حق تھے جو وحی متلو کی شکل میں نازل ہوئے یا وہ وحی غیر متلو تھی جو حکمت و بصیرت کی حامل تھی اور سنت پاک کے ذریعہ ظاہر ہوئی اور اس طرح آپ کی زبان مبارک لسان حق کی ترجمان تھی اور آپ کی تعلیمات سب کی سب حق تعالیٰ شانہ کی بیان کی ہوئی تعلیمات ہیں۔ چند آیتیں نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ (الکہف: ۲۷) — تمہارے رب کی طرف سے جو وحی آئی ہے اسے جوں کا توں سنادو کوئی اس فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ: ۷) — اس طرح ہم نے تم پر یہ قرآن عربی وحی کیا، تاکہ تم تمام بستیوں کے مرکز (شہر مکہ) اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کو خبردار کردو۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ (شوریٰ: ۵۲) — اور اسی طرح اے نبی اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے (یعنی وحی کے طریقوں سے تم کو سرفراز کیا ہے)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (آل عمران: ۴۴) — یہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعے بتارہے ہیں۔

ان جیسی بے شمار آیتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ مبشر اعظم جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد آئے گا اور جو کچھ خدا کے حکم سے سنے گا وہی بیان کرے گا اور اپنی خواہش نفس سے کچھ نہ کہے گا۔ وہ رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں۔ آپ کو خدا کی شریعت اور حکم کا ایک لفظ اور نقطہ بدلنے کا نہ اختیار ہے اور نہ آپ نے ایسا کیا، کفار قریش نے جب یہ کہا کہ کوئی مصالحت ہو جائے تمہاری بعض باتیں ہم مان لیں اور بعض باتیں ہماری تم مان لو قرآن میں معمولی سی تبدیلی گوارا کر لو اور قرآن کی ان واضح تعلیمات توحید میں کچھ تبدیلی کر دو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف سے جو تفصیلی جواب عنایت فرمایا۔ اس حقیقت کو پوری طرح آشکارا کرتا ہے کہ نبی برحق کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ کلام وحی کا سچا پیروکار اور حقیقی متبع ہو اپنی طرف سے وہ کچھ کہنے، بڑھانے گھٹانے، چھپانے یا بدل دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ

(یونس : ۱۵-۱۷)

جب انہیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اسکے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں سے کچھ ترمیم و تبدیلی کردو ان سے کہو میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں۔ میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے کہو اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی تو میں یہ قرآن کبھی نہیں سناتا اور تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا، آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے، پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی واقعی آیات کو جھوٹا قرار دے، یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے،

واضح ہوگیا کہ بشارت موسوی "اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا" اور بشارت انجیلی "وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہ کہے گا"، کا حقیقی مصداق خاتم النبیین والمرسلین، احمد مصطفےٰ محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

(باقی)

اقامتِ حج کے متعلق ازالۃ الخفا

کے

غلط تاریخی بیان کی تصحیح

از ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی۔ کراچی

ان دنوں راقم الحروف کو مولانا مودودی مرحوم کی کتاب "تجدید و احیائے دین" پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس میں ایک فصل حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے کارناموں پر بھی ہے جس میں انکی بجا طور پر تعریف کرتے ہوئے ان کا مندرجۂ ذیل قول نقل کیا گیا ہے:۔

"حضرت عثمانؓ کے بعد کسی فرمان روا نے حج قائم نہیں کیا، بلکہ اپنے نائب ہی مقرر کرکے بھیجتے رہے، حالانکہ اقامت حج خلافت کے لوازم میں سے ہے، جس طرح تخت پر بیٹھنا، تاج پہننا اور شاہان گزشتہ کی شہ نشین میں بیٹھنا قیصر و کسریٰ کے لیے علامتِ بادشاہی تھا اسی طرح حج خود اپنی امارت میں قائم کرنا اسلام میں علامتِ خلافت ہے۔"

(تجدید و احیائے دین، ایڈیشن ۲۶، لاہور ۱۹۹۳، صفحہ ۹۳)

مولانا مودودی مرحوم نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہ عبارت اس ضمن میں پیش کی ہے کہ انہوں نے خلافت و بادشاہت کے فرق کو خوب سمجھا تھا۔

راقم الحروف کو جس کا تاریخ اسلام خاص موضوع ہے اور برسوں وہ اسے عرب یونیورسٹیوں میں پڑھا چکا ہے یہ بیان تاریخی حقائق کے خلاف نظر آیا اور خیال ہوا کہ شاید مولانا مودودی

مرحوم سے ترجمہ میں کوئی سہو ہوگیا ہے یا ترجمہ و طباعت میں کوئی نادانستہ غلطی ہوئی ہے، اس لیے میں نے شاہ صاحبؒ کی اصل کتاب ازالۃ الخفاء دیکھنے کا ارادہ کیا، مگر مشکل پیش آئی کہ مولانا نے اصل فارسی کتاب کا جو حوالہ دیا ہے وہ سوا سو سال پہلے ۱۲۸۶ھ میں بریلی میں چھپی تھی جواب نایاب ہے، یہ کتاب پھر کبھی چھپی نہیں۔ اس لیے مجھے اس کتاب کے اردو ترجمہ پر اکتفا کرنا پڑا۔ یہ ترجمہ برصغیر کے ایک مشہور لکھنوی عالم مولانا عبد الشکور صاحب اور ان کے شریک کار مولانا انشاء اللہ کے قلم سے ہے۔ اس کا جو ایڈیشن میرے پیش نظر ہے وہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی نے طبع کیا ہے مگر تاریخ طباعت مذکور نہیں۔

دوسری مشکل یہ آپڑی کہ مولانا مودودی مرحوم نے غلطی سے مذکورہ بالا عبارت کے لیے ازالۃ الخفاء جلد اول فصل ششم کا حوالہ دیا ہے، یہ اور ان کی دوسری پیش کردہ عبارتیں فصل ششم کے بجائے فصل پنجم میں ہیں۔ بہرحال کافی ورق گردانی کے بعد مجھے مولانا مودودی کا پیش کردہ حوالہ تلاش کرنے میں کامیابی ہوئی، جسے حضرت شاہ صاحبؒ نے ان فتنوں کے سلسلے میں جن کی پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اور واقعات تاریخ سے یہ امر بھی بخوبی معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد کوئی خلیفہ بذات خود حج قائم نہ کرسکا، بلکہ خلفاء حج قائم کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر کرتے تھے، بنفس خود اقامت حج سے معذور تھے اور حضرت مرتضیٰؓ اسی وجہ سے بذات خود حج قائم نہ کرسکے ۔۔۔۔ اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ابان بن عثمانؓ کو امیر حج مقرر کردیا تھا، حالانکہ خلفائے سابقین بذات خود حج کو قائم کرتے تھے مگر کسی عذر سے نہ جاسکے تو دوسری بات تھی اور حج کا قائم کرنا خلافت کا ضمیمہ بلکہ خلافت کی خصوصیات سے تھا، جس طرح تخت پر بیٹھنا اور سر پر تاج رکھنا یا اگلے بادشاہوں

کا محل میں رہنا، شاہان فارس قدیم میں بادشاہی کی علامات سے تھا" (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳۲۰)

اس سے ظاہر ہے کہ مولانا مودودی سے ترجمہ میں کوئی سہو یا غلطی نہیں ہوئی ہے، البتہ انہوں نے ترجمہ میں کچھ تقدیم و تاخیر کر دی ہے، نیز حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ سے متعلق جملے حذف کر دیے ہیں، لیکن یہ بنیادی بات اس میں موجود ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد کسی خلیفہ نے حج قائم نہیں کیا یا بالفاظ دیگر حج کی قیادت نہیں کی۔

میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ میں عصر حاضر کے تمام علماء و محققین کی طرح ان دونوں بزرگوں کا پارشناس اور ان کی عظمت اور بلند مرتبے کا معترف و مداح ہوں مگر عربی کی مشہور مثل ہے کہ "لکل جواد کبوۃ" (ہر اصیل گھوڑا بھی کبھی ٹھوکر کھا سکتا ہے)

یہاں یہی حضرت شاہ صاحب سے بھی ہوا ہے اور افسوس کہ مولانا مودودی مرحوم نے بھی ان کے بیان کو بے چون و چرا نقل کر دیا اور اس کی تحقیق کو ضروری نہیں سمجھا، جب کہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد پانچ اموی خلفا اور تین عباسی خلفاء نے حج قائم کیا یعنی مشاعر مقدسہ: مکہ و عرفات و منیٰ میں حج کی قیادت کی، اس کا ذکر قدیم مستند کتب تاریخ طبری، تاریخ یعقوبی، تاریخ مسعودی اور امام ذہبی کی تاریخ الاسلام وغیرہ میں ہے، ان متداول تاریخوں کے علاوہ ایک قدیم تر اور مستند ترین کتاب "تاریخ خلیفہ بن خیاط" میں پورے التزام کے ساتھ ان تمام خلفاء یا ان کے مقرر کردہ اُن امراء کا ذکر ہے جنھوں نے اقامت حج کا فریضہ انجام دیا، طبری نے بھی اپنی تاریخ میں اس کا التزام کیا ہے، لیکن خلیفہ بن خیاط (وفات ۲۴۰ھ) طبری سے ۷۰ سال مقدم اور امام بخاری کے استاذ

ہیں، جن کی مروی احادیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔ ان کی کتاب پہلی بار ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق سے ۱۹۶۷ء میں بغداد میں چھپی تھی، اس کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں بیروت سے چھپا، یہ کتاب تاریخ طبری اور تاریخ ابن الاثیر وغیرہ کی طرح سنین پر مرتب کی گئی ہے جن کے ضمن میں تاریخی واقعات مذکور ہیں جس کو انگریزی میں AN-NALS کہتے ہیں، یہ مختصر کتاب ایک جلد میں ہے، لیکن اس کے مصنف نے امرائے حج کے ذکر کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ بعض سنین کے ذکر میں صرف امرائے حج کا نام ایک جملے میں دیا گیا ہے: جیسے ۲۱۶ھ اور ۲۳۲ھ (اسی سال پر یہ کتاب ختم ہو گئی ہے)۔

ہم اس کتاب سے ذیل میں ان اموی و عباسی خلفاء کا نام پیش کرتے ہیں جنھوں نے مختلف سنین میں اقامت حج کا فریضہ انجام دیا، تاریخ طبری میں بھی ان سب کا ذکر ہے:

۱۔ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان۔ ۴۴ھ، ۵۰ھ، ۵۱ھ (سنہ ۵۰ھ میں ان کے حج کے بارے میں اختلاف ہے، یعقوبی نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے صرف دو حج کیے)

۲۔ عبدالملک بن مروان الاموی۔ ۷۵ھ

۳۔ ولید بن عبدالملک " ۔ ۹۱ھ

۴۔ سلیمان بن عبدالملک " ۔ ۹۷ھ

۵۔ ہشام بن عبدالملک " ۔ ۱۰۶ھ

۶۔ ابوجعفر المنصور العباسی۔ ۱۵۲ھ، ۱۵۸ھ (اسی سال یوم الترویۃ سے ایک روز پہلے اس کا انتقال ہوا، حدود حرم میں مکۃ المکرمۃ سے باہر اور تنعیم کے قریب دفن ہوا)

۷۔ المہدی بن المنصور " ۔ ۱۶۰ھ

۸۔ ہارون الرشید بن المہدی ۱۷۰ھ، ۱۷۳ھ، ۱۷۴ھ، ۱۷۵ھ، ۱۷۷ھ، ۱۷۹ھ، ۱۸۱ھ، ۱۸۶ھ، ۱۸۸ھ، (۹ حج)

اس طرح پانچ اموی خلفاء اور تین عباسی خلفاء نے حج کی قیادت کی بلکہ بعض نے ایک سے زیادہ مرتبہ اور ہارون الرشید نے نو مرتبہ اقامت حج کی اور جس سال وہ حج کو نہیں گئے، انھوں نے اپنے خاندان کے کسی امیر (شہزادے) کو اس مہم پر مامور کیا، اس کی تفصیل تاریخ طبری، تاریخ الاسلام ذہبی وغیرہ میں بھی ہے، ایک اور قدیم مورخ الیعقوبی (وفات ۲۹۲ھ بروایت صحیح) نے اپنی تاریخ کی دوسری جلد میں ان مذکورہ بالا خلفاء کی خلافت کے ذکر میں بھی ان کے حج کی قیادت کا ذکر کیا ہے، اس مورخ نے سنین کی ترتیب کے برعکس موضوع یعنی خلفاء کے ناموں پر کتاب لکھی ہے، وہ بڑے پایہ کا مورخ، جغرافیہ نویس اور سیاح تھا اور عباسی دربار سے بحیثیت کاتب (سکریٹری) وابستہ بھی رہا تھا۔ اس نے ہارون الرشید کے ۹ مرتبہ حج کا ذکر بہ تفصیل سنین بالا جلد دوم ص ۴۳۰ (بیروت دار صادر ایڈیشن) میں کیا ہے۔ ملحوظ رہے کہ یعقوبی طبری کا بڑا معاصر ہے، اس کی وفات طبری سے اٹھارہ سال پہلے ہوئی۔

ان تاریخی حقایق کی موجودگی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ بیان کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ "حضرت عثمانؓ کے بعد کوئی خلیفہ بذات خود حج قائم نہیں کر سکا"۔

تعجب اس بات پر بھی ہے کہ مولانا مودودی نے شاہ صاحب کے اس بیان کو صحیح تسلیم کر لیا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر مصنفین کے پیش نظر تاریخ خلیفہ

بن خیاط اور تاریخ الیعقوبی نہ رہی ہوں، مگر تاریخ طبری ایک متداول کتاب ہے، یہی حال ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ کا بھی ہے، ان دونوں پر بھی ان عظیم مصنفین کی نظر نہ پڑنا حیرت انگیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہارون الرشید وہ آخری خلیفہ تھا جس نے حج کی قیادت آخری بار ۱۸۸ھ میں کی، اس کے بعد کسی عباسی خلیفہ نے حج قائم نہیں کیا[1]۔

راقم الحروف کی اس تحریر کا اصلی مقصد اسی مسئلہ کی وضاحت و تنقیح کرنا تھا، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ازالۃ الخفاء سے جو اقتباس پیش کیا گیا تھا اس میں مزید کچھ باتیں بھی تصحیح طلب ہیں، من جملہ ان کے ایک بات یہ ہے کہ "حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ابان بن عثمانؓ بن عفان کو امیر حج مقرر کر دیا تھا"۔

یہ بات بھی تاریخی حیثیت سے درست نہیں کہ کبھی حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ابان بن عثمانؓ بن عفان کو امیر حج مقرر کیا ہو، اولاً تو خلیفہ بن خیاط کے مطابق حضرت معاویہؓ نے خود تین بار تفصیل مذکورۂ بالا حج کی قیادت کی یعنی ۴۴ھ، ۵۰ھ، ۵۱ھ یا الیعقوبی (۲/۲۳۹) کے مطابق دو سال یعنی ۴۴ھ و ۵۰ھ، ثانیاً یہ کہ مؤرخین خاص طور پر خلیفہ بن خیاط، یعقوبی اور طبری نے التزام کے ساتھ سال بہ سال امرائے حج کے ناموں کا ذکر کیا ہے، ان ناموں میں کہیں ابان بن عثمان کا ذکر نہیں، ان کے عہد میں جن امراء نے مختلف برسوں میں حج کی قیادت کی وہ عتبہ بن ابی سفیان، مروان، عنبسہ بن ابی سفیان، ولید بن عتبہ بن ابی سفیان ہیں۔ ابان بن عثمانؓ نے عبد الملک بن مروان اموی کے دور خلافت میں ۷۶ھ سے ۸۰ھ تک چار سال حج کی قیادت اس وقت کی تھی جب وہ مدینہ منورہ کے امیر (حاکم) تھے۔

[1] یعقوبی نے اپنی تاریخ (۲/۴۳۰ طبع بیروت) میں اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حج کی قیادت سے حضرت علی مرتضیٰؓ کی معذوری کی وجہ تو بیان کی ہے کہ . . . . . . ان کو اپنے دور خلافت میں اپنے مخالفین سے برابر برسرپیکار رہنا پڑا لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی اپنی خلافت کے پہلے سال میں حج کی قیادت نہیں کی حالانکہ ان کو کسی فتنہ کا سامنا کرنا نہیں پڑا تھا، پھر حضرت معاویہؓ نے صرف دو یا تین سال حج کی قیادت کی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دو سالہ دور خلافت میں ایک بار بھی حج کی قیادت نہیں کی حالانکہ ان کو بہت سے علماء نے پانچویں خلیفۂ راشد کہا ہے، اس بنا پر میری ناقص رائے میں یہ کہنا کہ "خلیفہ کا خود اقامت حج کرنا ایسا تھا جیسا کسی بادشاہ کا تخت پر بیٹھنا یا سر پر تاج پہننا یا یہ کہ اقامت حج خلافت کی ایک علامت تھی"، درست نہیں۔ ہاں خلیفۂ وقت کا اقامت حج کے لیے اپنا نائب مقرر کرنا ضروری تھا جس کو سبھی خلفاء کرتے رہے اور ہارون الرشید کے عہد تک بہت سے خلفاء براہ راست بھی یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ بلکہ خود اس نے ایرانی طرز کی ملوکیت اختیار کرنے کے باوجود نو بار حج کی قیادت کی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ۹ھ کے حج کی اقامت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا، حالانکہ اقامت حج کو فقہاء نے امامۃ الصلاۃ کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفاء کی خصوصیات و فرائض میں سے بتایا ہے اور خلفاء مسجد نبوی میں جب تک مدینۂ منورہ مرکز خلافت رہا یہ فریضہ ادا کرتے رہے، اس کے بعد بھی حضرت علیؓ نے کوفہ میں اور ابتدائی اموی خلفاء نے دمشق کی جامع میں اور ابتدائی عباسی خلفاء نے ہاشمیہ اور بغداد میں جمعہ و عیدین کی

نماز میں امامت کی، لیکن پھر نمازوں اور جمعہ و عیدین کے لیے خطباء و ائمہ مقرر کیے جانے لگے اور خلیفہ کا کام صرف سیاست و حکمرانی رہ گیا۔

مشہور دستوری فقیہ ماوردی (وفات ۴۵۰ھ) نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں جہاں خلیفہ کے ان اختیارات کا ذکر کیا ہے کہ وہ جمعہ و عیدین وغیرہ اور جہاد کے لیے اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے وہاں اپنی کتاب کے آٹھویں باب میں "ولایت حج" کا بھی ذکر کیا ہے کہ اقامت حج کے لیے خلیفہ اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے اور پھر اس نائب کے فرائض بھی لکھے ہیں۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حجاج کی سہولت و نگرانی کے علاوہ عرفات و منی میں خطبہ و نماز کی امامت کرے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق و تلاش حق ہمارے اسلاف کا خاص طرۂ امتیاز رہا ہے، لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کے علمی تنزل کے زمانے میں تلاش و تحقیق کا ذوق بالکل ختم ہو گیا ہے خصوصاً اس برصغیر میں لوگ اپنی محبوب شخصیتوں کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہیں ہوتے اور وہ انہیں معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خود اہل السنت والجماعت کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، اس ہمہ گیر رجحان کی بنا پر ممکن ہے ان دونوں بزرگوں کے غالی معتقدین کو ہماری یہ کدوکاوش پسند نہ آئے مگر ہم کو ان حضرات کے غیظ و غضب سے زیادہ حق عزیز ہے۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی کی بزرگی و فضیلت علمی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو تمام ہی علوم میں نبوغ حاصل ہو، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا میدان تحقیق و تصنیف، تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف ہے، تاریخ ان کا موضوع نہیں تھا، سوائے عہد خلافت کے، اسی طرح مودودی صاحب کو بھی زیادہ اشتغال تفسیر، حدیث

نقد اور سیاست سے تھا، ابتدا میں انہوں نے تاریخ سلاجقہ اور تاریخ دکن وغیرہ ضرور لکھی لیکن اموی و عباسی عہد کی تاریخ پر ان کی نظر گہری نہیں تھی ورنہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اس بیان کو قبول نہیں کرتے۔

ماخذ

۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ (فارسی) ترجمہ مولانا عبدالشکور و مولانا انشاء اللہ۔ اشاعت محمد سعید اینڈ سنز، کراچی۔

۲۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط، از خلیفہ بن خیاط، تحقیق ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، طبع ثانی، بیروت ۱۹۷۷ء۔

۳۔ تاریخ الیعقوبی، از ابن واضح الیعقوبی (دو جلدیں)، بیروت (تاریخ ندارد)

۴۔ تاریخ طبری، از محمد بن جریر الطبری (۱۰ جلدیں) تحقیق ابوالفضل ابراہیم دار المعارف، قاہرہ۔

۵۔ مروج الذہب، از المسعودی (۴ جلدیں)، قاہرہ ۱۹۶۴ء

۶۔ الکامل فی التاریخ، از ابن الاثیر (۹ جلدیں) بیروت ۱۹۶۷ء

۷۔ تاریخ الاسلام، از امام ذہبی (۸ جلدیں) تحقیق عبدالسلام تدمری، بیروت ۱۹۸۹ء۔

۸۔ الاحکام السلطانیہ، از ماوردی، قاہرہ ۱۹۷۳ء۔

۹۔ الاحکام السلطانیہ، از ابویعلی حنبلی، بیروت ۱۹۸۳ء۔

۱۰۔ تجدید و احیائے دین، از مولانا سید ابوالاعلی مودودی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۳ء۔

فارسی کا ایک اہم کشمیری شاعر

مرزا داراب بیگ جویا

از

ڈاکٹر خورشید نعمانی رودولوی بمبئی۔

مرزا داراب بیگ جویا کشمیر کے ایک اہم شاعر تھے جو غنی اور بینش کے معاصر تھے لیکن تاریخوں اور تذکروں میں ان کا ذکر برائے نام ہی ملتا ہے اس طرح انہیں وہ امتیازی جگہ نہ مل سکی جس کے وہ مستحق تھے۔

جویا کے آبا و اجداد تبریز (ایران) سے آکر کشمیر میں آباد ہوئے، یہیں جویا کی ولادت ہوئی، ان کے والد کا نام ملا سامری تھا، ان کے والد کے نام سے پہلے ملا کا لقب ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک قابل شخص تھے، جویا کے دو بھائی مرزا کامران بیگ گویا اور مرزا فتح علی بیگ تسکین بھی اچھے شاعر تھے گویا ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است

مرزا جویا بھی اس وقت کے عام شرفا کی طرح درس و تدریس اور کاروبار دنیا میں منہمک ہو گئے، خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا، انہوں نے علامہ عصر شیخ محسن فانی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، جویا نے ابتدا سے ہی اچھے شعرا مثلاً ابوطالب کلیم، ملا رضا تجلی، سعید اشرف، سالک یزدی اور سالک قزوینی کی محفلیں دیکھیں اور ان سے استفادہ کیا، شاعری میں انہوں نے کلیم کی شاگردی اختیار کی اگرچہ وہ صائب اور

نظرت موسوی کے شیدائی تھے، صائب کے دیوان "واجب الحفظ" پر جویا نے ایک مقدمہ بھی لکھا جس میں وہ صائب کو اپنا استاد مانتے ہیں، مولف "تاریخ کبیر" لکھتے ہیں:

" داراب جویا مرزا سامری کے فرزند اور مہر سعید اشرف، رضا علی تجلی کے ہم درس اور ہم صحبت شاعر ہو گذرے ہیں، وہ اہل تشیع کے اعتقادات سے منسلک تھے، انہوں نے ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی، ان کا اصل وطن تبریز تھا، ابو طالب کلیم اور مرزا صائب کے ساتھ کشمیر وارد ہوئے تھے[۲]"

مگر یہ بیان صحیح نہیں ہے، جویا دراصل کشمیر میں پیدا ہوئے انکے جد اعلیٰ تبریز سے ترک وطن کر کے آئے تھے، جویا کی تاریخ ولادت معلوم نہیں مگر یہ بات قرین قیاس ہے کہ ۱۰۳۰ھ کے لگ بھگ وہ پیدا ہوئے اور عالمگیر کے زمانے میں ۱۱۱۸ھ میں وفات ہوئی۔

کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جویا اور گویا (دونوں بھائیوں کو) سید علی رضا اور مہر سعید اشرف کے ساتھ گہری دلچسپی تھی اور ان دونوں کی صحبت میں مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے جن میں علمی و ادبی مباحث بھی جاری رہا کرتے تھے، سید علی حسن مولف "صبح گلشن" نے ایک لطیفہ بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز جویا اور گویا دونوں بھائی محمد علی ماہر (ان کے معاصر شاعر) کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ باتوں باتوں میں جویا نے کہا کہ ہم دونوں بھائیوں نے ابو طالب کلیم کے نام اور تخلص کو برابر تقسیم کر کے اپنا اپنا تخلص اختیار کر لیا ہے، محمد علی ماہر نے کہا کہ ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے مطالب اور معنی کو بھی اپنا لیا ہے
کشمیر کے حکام جویا کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، ابراہیم خاں، حفظ اللہ خاں اور فاضل خاں جو یکے بعد دیگرے کشمیر کے گورنر ہوئے، جویا کا احترام کرتے تھے، اس نے اپنے قصیدوں اور قطعات میں اپنے ان سرپرستوں کی ستائش کی ہے، ابراہیم خاں نے ایک

آئینہ خانہ بنوایا تھا، جویا نے اس کی تقریب پر ایک نظم کہی جس کا ایک شعر یوں ہے:

نواب در او نشستہ چون مردم چشم — خدام بہ دورش زدہ صف چو مژگاں

فاضل خاں گورنر کشمیر سے جویا کے خاص تعلقات تھے، انہیں کی ایما پر اس نے دو مختصر مثنویاں "حسن معنی" اور "ڈل جھیل" لکھیں، "حسن معنی" میں کشمیر کا ذکر تفصیل سے ہے، کشمیر کے باغات، شالیمار باغ، باغ نسیم، باغ بہار آرا، باغ سیف آباد، باغ الٰہی اور نور باغ کے علاوہ کوہ پیر پنچال اور ڈل جھیل کی حسین منظر کشی ہے۔ کشمیر کے لوگوں کے حسن کا بیان ہے اور آخر میں خود کشمیر جنت نظیر سے شاعر کے والہانہ عشق کی داستان ہے ؎

مگو ای ساقی از دشواری آہ — بہ کشمیر آمدیم الحمد للہ
درین گلشن کہ باد آباد جاوید — لطافت را مجسم می تواں دید
لب نہر برگ گل را در گلستاں — گرفتہ شبنم از شوخی بہ دنداں

فاضل خاں جب کشمیر آئے تو جویا نے اس شعر سے ان کا استقبال کیا:

مگر نواب کشور گیر آمد — کہ جانی درین کشمیر آمد

جویا کے اشعار سے یہ بات عیاں ہے کہ وہ نہایت ظریف طبع اور خوش مزاج واقع ہوئے تھے، بات بات پر ان کی زبان سے پھول جھڑتے تھے، جس محفل میں بیٹھتے اپنے لطیفوں، حکایتوں اور چٹکلوں سے محفل کو زعفران زار بنا دیتے، وہ نیک خو، خوش رو اور ہر دلعزیز تھے، ان کی گفتگو شیریں اور بحث عالمانہ ہوتی تھی، وہ اپنے معاصر غنی کے برعکس امراء و حکام کی تعریف میں قصیدے لکھتے تھے، وہ خلوت پسند نہیں تھے بلکہ ہمیشہ اپنے رفقاء کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں شریک نظر آتے تھے۔

وہ تعصب اور حسد، حرص و آز، پندار و غرور سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، انکے

اشعار ان کی صفائی قلب کے آئینہ دار ہیں ع

درسینہ چوں گذر کینہ فتد — آں کینہ بہ جنس دیدہ ینہ فتد
عیب دگر اینکہ ز بس پیر دلی — عکس تو محال است در آئینہ فتد
خوشی ہرگز نہ بیند ہر کہ بد خواہست اُشنش — بخود پیوستہ ہم چوں مار ظلم اندیش می پیچد
بقدر خواہشت دنیا اسیر خویش سازد — تو گر جویا، بدنیا بیش پیچی بیش می پیچد

جویا بہت وسیع النظر تھے، انھوں نے اپنے معاصر شعراء کی جی کھول کر تعریف کی ہے، ابوطالب کلیم اور مرزا صائب کی تعریف میں بھی کافی اشعار کہے ہیں، اپنے استاد مرزا صائب کی خدمت میں خلوص و عقیدت کے ساتھ ذیل کے اشعار پیش کیے ہیں جن سے ان کے عقیدتمندانہ جذبات صاف جھلکتے ہیں ؎

بے تکلف ز شکر ریزی صائب جویا — طوطی نطق تو طرز سخن آموختہ است

رباعی

صائب ز سخن بہرہ تا بی کہ ترا است — باشد شائستہ تو نامی کہ ترا است
نتواں ادا کرد بزبان تحسین — حق نمک کہ حسن کلامی کہ ترا است

اس کے علاوہ اس نے معاصر شعراء کے کلام کی بھی دل کھول کر داد دی ہے ع

ایں جواب آں غزل جویا کہ بینش گفتہ است
نامہ ام را بادہ چوں بال کبوتر می کند
ایں جواب آں غزل جویا کہ میگوید وحید
ہمچو نقش کند روزم سیاہ از شش جہت
ایں بطرز آں غزل جویا کہ تمکین گفتہ ست
برق جولاں ابرش ابری بدایں دارد بہار

ایں بطرز آں غزل جویا کہ شائق گفتہ است
جای دنداں سخت چوں گر دید دنداں می شود

جویا کے دوستوں اور سرپرستوں کا حلقہ کافی وسیع تھا جن سے متعلق ان کے کلیات میں اشعار اور اشارے ملتے ہیں، مرزا ابوالخیر کی تعریف میں انھوں نے ایک انتہائی مرصع انشائیہ لکھا، انکے یہاں بچے کی ولادت پر یہ تاریخ کہی جس سے ۱۱۰۸ھ / ۹۷-۱۶۹۵ء برآمد ہوتا ہے ؎

سراپا زباں غنچہ شاں شد نخست — بس آنگہ "گل باغ امید" گفت

اس کے علاوہ سید عبداللہ، محمد عظیم تہرانی اور شیخ نجفی کے نام ان کے خطوط کلیات میں درج ہیں، کشمیر کے ایک صوفی درویش شاہ رضا کی شان میں یہ اشعار بھی ملتے ہیں:

بادشاہی است شہ رضا امروز — کہ نہ در فکر تخت و دیہیم است
در کنار دل آں مکان شریف — بی تکلف بہشت و تسنیم است

جویا کے اشعار اور خطوط سے ان کی بعض دلچسپ عادتوں کا پتہ چلتا ہے، ان کے دو خطوط سے معلوم ہوا کہ وہ حقہ اور قہوہ کے عادی تھے، حقہ کی شان میں ان کی یہ رباعی دلچسپی سے خالی نہیں ؎

پس فیض کہ از چلیم اندوختہ ام — بردی نظر خواہش از آں دوختہ ام
دودش کہ ز سینہ ہر نفس برگردد — دارد پیغامی از دل سوختہ ام

لیکن جویا شراب کو یکسر ناپسند کرتے تھے وہ شراب کو "گودہ حرام" کہتے ہیں ؎

حیف است اگر ز دخت رز جوئی کام — کین فاحشہ باشد از دولت اعلام
تاکی سر خود بہ پائی خود خواہی سود — تا چند کشی منت ایں گودہ حرام

جویا نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ کشمیر میں گذارا، ان کی شاعری کشمیر کے ذکر سے مملو ہے،

مگر ان کے دل میں اپنے آبائی وطن ایران کی زیارت کا شوق ہمیشہ جاگزیں رہا لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، جویا بہر حال کشمیر سے نکل کر لاہور پہنچے، لاہور سے جویا کا ایک خاص تعلق تھا، ایک تو وہاں کے دلبروں کی بے جھجک آمیزش جویا کو اپنا گرویدہ کیے ہوئے تھی ؎

لاہور کہ دلبرش سی عیار است
از شوخی طبع ہاگرہ جہ یار است

گر گنجیش دست زد خلق بود
عیش نگینی طلائی دست فشار است

دوسرے لاہور ان کی محبوبہ کا مسکن تھا جس کی دید اور وصال ان کی دلی آرزو تھی۔

در راہ شوق جاناں عزم سفر مبارک
بر فوج غم، دلم را فتح و ظفر مبارک

بستم میان ہمت جویا بہ سیر لاہور
امید وصل یاری نازک کمر مبارک

ایک اور غزل میں جویا اپنی (جیسی) محبوبہ سے کہتے ہیں کہ چند روز تیری حسین مسکراہٹ سے لطف اندوز ہونے کے بعد اب میں کشمیر واپس جا رہا ہوں ؎

دل می برد دم غنچہ خنداں تو جتی
جان می دہدم خندۂ پنہان تو جتی

فرداست کہ خواہد سوی کشمیر رواں
جویا دو سہ روزی شدہ مہمان جتی

شاہی دربار سے بظاہر جویا کا کوئی بلا واسطہ تعلق نہیں تھا اور اورنگزیب سے انکی ملاقات کا کوئی ذکر بھی ملتا ہے لیکن اورنگزیب کی شان میں مندرجہ ذیل رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہی کرم کے امیدوار ضرور تھے ؎

شاہنشاہا کف تو بحرین عطاست
تقویٰ تو زیب سلطنت نام خداست

زینت بخش صلاح باشد کرمت
در دست تو تسبیح چون گوہر دریاست

جویا بڑے پر گو شاعر تھے، انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور حق یہ ہے کہ

ان کے کلام کی استادانہ شان ہر جگہ نمایاں ہے، خواہ وہ غزل ہو، قصیدہ ہو، رباعی ہو، مرثیہ یا مثنوی، ان کا ضخیم کلیات تقریباً سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، گویا کے قصیدے جو تعداد میں ۳۲ ہیں، حمد و نعت و ائمہ معصومین کی منقبت میں ملتے ہیں۔ جن میں دو کا ذکر کیا جا چکا ہے، قطعات و رباعیات کی مجموعی تعداد ۱۲۷ ہے جس میں رباعیاں ۱۰۳، قطعات زیادہ تر موضوعاتی اور تاریخ وفات سے متعلق ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نعت و قصیدے کے چند اشعار اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیے جائیں، نعت کی مثال ملاحظہ ہو:

افتخار دودہ آدم حبیب ذو الجلال
سرور دنیا و عقبیٰ شافع روز جزا

آنکہ جبرئیل امینش می کشیدے غاشیہ
آنکہ بر فرمانبرش شاہنشہی چون مرتضیٰ

رتبۂ قربش تماشا کن کہ مقدار دو قوس
بلکہ ہم نزدیک تر بد با جناب کبریا

از عناصر در تن آدم برای خلق او
گشتہ اند اضداد باہم چار یار با صفا

ذیل کا قصیدہ جویا نے حضرت علیؑ کی تعریف میں لکھا ہے، اس میں قصیدے کے تمام لوازم موجود ہیں اور یہ ان کے استاد فن ہونے کی دلیل ہے، ان کا قصیدہ خاقانی کے طرز میں لکھا گیا ہے، ان کی شیریں بیانی اور قادر الکلامی کا اندازہ اس قصیدے سے بخوبی ہو سکتا ہے، صفائی بندش، سلاست اور استواری کلام اس کی خصوصیات ہیں، خوش آہنگ الفاظ سے موسیقی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

نو بہار در دم داغت گل سودائی من
صد چو مجنوں بند پا گم کردہ صحرائے من

چاک شد دامان صحرا از خراش نالہ ام
من کجا و درد ہجر او کجا سے وائی من

خشک شد خوں در رگ گل بے بہار جلوہ ات
نو بہار من، گل من سرو من رعنائی من

ای بہار رنگ و بو چوں گل سراپا گوش شو　　تا دو گوشت شود این مطلع سرائی من

بسکہ شد لبریز مہر مصطفیٰ اعضائی من　　ہم چو گلبن غرق گل گردید سرتاپائی من

ای فدائی مرقد پاک تو سرتاپائی من　　یا علی مولائی من، مولائی من، مولائی من

مظہر گل، فاتح خیبر، امیر المومنین　　بندگی قنبر بس فخر من و آبائی من

جویا کی شاعری کا حسن دراصل ان کی غزلوں میں نکھرتا ہے جس میں اس دور کی تمام خصوصیات نظر آتی ہیں، ان میں کہیں کہیں غنی کا رنگ جھلکتا ہے اور کہیں صائب اور کلیم کا انداز ملتا ہے۔ ڈاکٹر نور الحسن انصاری ان کی غزلوں کے بارے میں لکھتے ہیں[۱]:

"جویا کی بہترین شاعری ان کی غزلوں میں ہے، گویا اگرچہ کلیم کے شاگرد تھے، مگر غزلگوئی میں وہ صائب کے نقش قدم پر چلتے تھے... مگر جویا کا اپنا ایک انفرادی انداز ہے جو صائب اور جویا کے دوسرے پسندیدہ شاعر فطرت موسوی سے الگ ہے"، جویا کے یہاں ایک جاندار تغزل ہے جس کا ایک بنیادی عنصر حسن کا انتہائی نازک اور جمالیاتی احساس ہے، جویا کا تصور حسن بڑا بھرپور، جسمانی اور جذباتی ہے، کشمیری حسینوں کے برف جیسے شفاف و شاداب جسم میں شاعر کی نظر کے لیے جو فتنہ سامانی ہے اس کا منظر دیکھیے:

پائی تا سر مزہ است اندامت　　بہ نگہ می تواں چشید ترا"

جویا کی محبوبہ کا جسم پھول سے زیادہ نازک اور اس کی خوشبو سے زیادہ لطیف اور پھولوں کی ڈالی کی طرح تر و تازہ ہے اور اس کا نازک ملبوس نکہت گل کی طرح بہار بدست ہے ؎

ہمچو شاخ نازک گل از نسیم نو بہار　　جوش مستی می کند در ہر طرف مائل ترا

ترسم کی خراشد تن نازک بدنم را　　از نکہت گل جامہ بدہ سیم تنم را

آں کسوت نازک کہ بر اندام تو بار است　　چوں نکہت گل دست در آغوش بہار است

جویا کے یہاں وصال محبوب کی جو مکمل اور موثر کیفیت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جویا کا معشوق کوئی فرضی یا روایتی نہیں بلکہ ایک حسین و نفیس قسم کا انسان ہے جس کی ہم آغوشی شاعر کو کیا کچھ لطف نہ دیتی ہوگی ؎

شب کہ عریاں بہ ہم آں شوخ قدح نوشم بود　　یک بغل نور چو فانوس در آغوشم بود

زسرو پا کہ در برکشیدہ ام امشب　　بغل بغل گل آغوش چیدہ ام امشب

سخن چو شیرہ جاں سالہا چکد ز لبم　　بایں کہ لعل لبت را مکیدہ ام امشب

جسم و جان کی اس شاعری کے علاوہ جویا کے یہاں حقایق و معرفت کے رازہائے سربستہ کی گرہ کشائی بھی ہے اور فکری عناصر کی نشاندہی بھی ملتی ہے ؎

دارد حیات عالمی و جان بدید نیست　　دنیا تو آدمی پر و انسان پدید نیست

گشتہ آبستن ہزار سحر　　شب تار مرا تماشا کن

جویا کی اس جاندار شاعری کے بعد ان کی غزلوں کے مزید نمونے ملاحظہ کیجیے:

خود را چو ز خود جدا بیابی　　شاید کہ نشان ما، بیابی

می ریختی و سبو شکستی　　ای محتسب ای خدا، بیابی

در کشور فقر باش جمشید　　تا جام جہاں نما، بیابی

کی کام تو بے طلب بر آید　　یعنی کہ بجو لی تا بیابی

جویا یک بار علی گو　　ہر چیز کہ مدعا بیابی

آسودہ دلی کہ بے قرار است　　آں دیدہ خنک کہ شعلہ بار است

بر ساحت نہ فلک کند سیر — ہر کس سر خویشتن سوار است

زیاد کہ بزور عشقم انداخت — در دریائے کہ بے کنار است

گر غنچۂ دل شگفتہ باشد — ہر سوکی کہ بنگری بہار است

صبر و دل بے قرار عاشق — پیمانۂ دست رعشہ دار است

پیراہن جسم نازک او — جویا از نگہت بہار است

جویا نثر نگاری میں بھی درک رکھتے تھے ان کی نثر بڑی پُر تکلف و مرصع ہوتی تھی۔ دیباچہ نگاری انکا خاص شغف تھا. کلیات میں چار کتابوں پر دیباچے موجود ہیں جن میں دو مرقع پر ہیں ایک کسی سفینہ پر اور چوتھا صائب کے دیوان "واجب الحفظ" پر اس کے علاوہ خود جویا کے دیوان کا دیباچہ، قلمدان کی تعریف نوروز کا بیان اور دوستوں کے نام خطوط ہیں۔

یوں تو جویا کا ذکر کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ و تذکروں میں جستہ جستہ ضرور ملتا ہے، لیکن ۱۹۵۹ء میں ڈاکٹر محمد باقر نے لاہور میں کلیات جویا کی ترتیب سے جویا شناسی اور جویا فہمی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے

پروفیسر عبد القادر سروری "کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ" میں جویا کے متعلق رقمطراز ہیں[۵]۔

"غنی کے معاصرین میں مرزا داراب جویا مرزا کامران گویا' دونوں بھائی بھی شاعر تھے' غنی کے بعد جویا فن شعر میں سر آمد مانے جاتے تھے ، مرزا صائب کے طرز کا ان پر بہت اثر تھا، اور اسی کا تتبع بھی کرتے تھے' ایک دیوان انہوں نے یادگار چھوڑا ہے'

جویا کے دو شعر ذیل میں منقول ہیں ؎

می تواں یافتن از نالۂ قمری کہ مدام — آتشی ہست نہاں در تہہ خاکستر او۔

دل جویا نخورد زین غزل آرائی آب — منقبت سنج بود خاطر مدحت گر او

مقطع سے ظاہر ہے کہ گویا کو منقبت سے بھی بہت دلچسپی تھی۔

ڈاکٹر مسعودی جویا کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں[۶]

"غنی کے معاصرین میں مرزا داراب جویا اور مرزا کامران گویا دونوں بھی شاعر تھے، غنی کے بعد فن شعر میں مرزا جویا کی خاص اہمیت ہے۔"

جویا کا خیال تھا کہ شاعری حیات جاوداں کا سامان بہم پہنچاتی ہے اور خود انکی شاعری طوطی خوش نوا کے نغمے کی طرح ساری دنیا کی شاعری پر چھائی ہوئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ کلیات جویا: مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر۔ لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۹۱۔ ۲۔ تاریخ کبیر: از محی الدین مسکین ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء ۳۔ صبح گلشن، مولفہ سید علی حسن ۴۔ فارسی ادب بعہد اورنگزیب: از ڈاکٹر نور الحسن انصاری، دہلی ۱۹۶۹ء ص ۱۱۷ ۵۔ کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ: از پروفیسر عبد القادر سروری، سری نگر، ۱۹۶۸ء، ص ۱۴۲ ۶۔ کشمیر کے فارسی ادب کی تاریخ (۱۸۱۹-۱۷۵۲) از پروفیسر ایم ایم مسعودی، سرینگر، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۔

امام ذہبی کی جلیل القدر تصنیف

سیر اعلام النبلا

از

جناب شیخ نذیر حسین صاحب۔ لاہور

امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی کا شمار اسلام کے نامور اور کثیر التصانیف مصنفین میں ہوتا ہے۔ ان کے زمانۂ حیات (ساتویں آٹھویں صدی ہجری) میں ملک شام پر مصر کے بحری ممالیک کی حکومت تھی۔ ان کا بڑا کارنامہ مغول (تاتاریوں) کی پیش قدمی کو روکنا ہے، اس وقت دمشق دنیائے اسلام کا علمی اور دینی مرکز تھا، دمشق، حلب اور حمص میں دار القرآن اور دار الحدیث قائم تھے، لیکن اس علمی رونق کے ساتھ ہی اشاعرہ اور حنابلہ میں فکری اور عقائدی آویزش برپا تھی، تصوف کی گرم بازاری تھی۔ ملک میں جعلی پیروں اور جھوٹے مشائخ کا زور تھا، عوام کی اکثریت جاہل تھی اور وہ ان کے کرامات پر بڑا اعتقاد اور یقین رکھتے تھے، متبرک مقامات پر نذریں اور نیازیں پیش کی جاتی تھیں، غرضیکہ ملک پر اوہام اور بدعات کی ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ یہ تھے ملکی حالات جبکہ امام ذہبی کی پیدائش ہوئی۔

وہ ربیع الآخر ۶۷۳ھ / اکتوبر ۱۲۷۴ء میں دمشق میں پیدا ہوئے، ان کے والد شہاب الدین احمد بڑے دیندار اور علم حدیث کے شائق تھے۔ وہ پیشہ کے اعتبار سے

زرکوب (چاندی سونے کے ورق بنانے والے) تھے، اس لیے وہ ذہبی اور ان کے بیٹے ابن الذہبی کہلائے (الصفدی: الوافی)۔ امام ذہبی نے علوم دینیہ کی تحصیل علمائے وقت سے کی۔ شروع میں انہیں علم القراءات سے بڑی دلچسپی تھی۔ شعر و شاعری سے بھی لگاؤ رہا ہے۔ جب وہ اٹھارہ برس کے ہوئے تو علم حدیث ان کی توجہ کا مرکز بن گیا اور وہ ساری عمر اسی کے ہو رہے۔ چونکہ تاریخ اور سوانح کو علم حدیث ہی کی شاخ سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ تاریخ نویسی اور سوانح نگاری میں بھی بڑا نام پیدا کر گئے۔ مورخین نے انہیں الرحل الرحال لکھا ہے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر امام ذہبی نے مصر اور فلسطین کا سفر کیا اور ۶۹۸ھ میں وہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں کے علماء سے مختلف کتابوں کا سماع کرتے رہے۔ ان کتابوں میں کتب مغازی، کتب السیرۃ، تاریخ عام اور کتب التراجم وغیرہ شامل تھیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد وہ مختلف مساجد میں امام اور خطیب اور بعض مدارس میں حدیث کی تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس اثناء میں ان کی دوستی تین فضلاء سے ہو گئی جو جلد ہی محبت اور باہمی احترام میں بدل گئی۔ ان میں سے ہر عالم اپنے دائرے میں "جبل العلم" تھا اور یہ فضلا ابو الحجاج یوسف المزی، ابن تیمیہ اور علم الدین البرزالی تھے۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے تمام دنیاوی مشاغل سے منہ موڑ کر اپنے کو تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیا۔

آخری عمر میں ان کی آنکھیں خراب ہو گئی تھیں۔ بالآخر نہایت مصروف زندگی گزار کر انہوں نے ۷۴۸ھ/۱۳۴۸ء میں انتقال کیا۔ امام ذہبی خوش خلق اور خوش مزاج تھے۔ ان میں محدثین کا جمود اور عام علماء کی یبوست نہ تھی۔ ان کے دن لکھنے پڑھنے اور راتیں یاد الٰہی

میں گزرتی تھیں۔ وہ بعض صوفیہ سے بھی ارادت رکھتے تھے اور ان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے۔

امام ذہبی کے متنوع صفات کا ان کے معاصرین اور متاخر سوانح نگاروں نے پورا پورا اعتراف کیا ہے۔ ان اہل علم نے انہیں محدث العصر، خاتم الحفاظ، مورخ اسلام اور شیخ الجرح والتعدیل لکھا ہے۔

انہوں نے مستقل کتابوں کی تحریر کے علاوہ تقریباً پچاس کتابوں کا اختصار کیا ہے۔ ان مختصرات میں اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن الاثیر)، مستدرک علی الصحیحین (حاکم نیشاپوری)، سنن الکبریٰ (البیہقی)، تاریخ بغداد (خطیب بغدادی)، تاریخ دمشق (ابن عساکر)، تاریخ نیشاپور (حاکم نیشاپوری)، کتاب الانساب (السمعانی) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں کے اختصار کے علاوہ انہوں نے ان کے اغلاط کی تصحیح کی ہے، مزید معلومات کا اضافہ کیا ہے اور متعلقہ مزید مصادر و ماخذ کی نشاندہی کی ہے۔

امام ذہبی کا شمار عربی کے کثیر التعداد مصنفین میں ہے۔ کثرت تصانیف کے اعتبار سے ان کا مرتبہ ابن الجوزی اور السیوطی کے بعد ہے۔ الذہبی کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد دو سو سے اوپر ہے ان میں سے بعض پمفلٹ ہیں، ان کی تفصیل بروکلمان نے تاریخ ادبیات عربی میں دی ہے، ان کی مشہور ترین کتابیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ تذکرۃ الحفاظ (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۵-۱۹۵۸ء)

۲۔ دول الاسلام (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۷ھ)

۳۔ ذیل دول الاسلام (مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۳۷ھ)

۴۔ میزان الاعتدال (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۳ء)

ان کی بیسیوں کتابیں قسطنطنیہ اور قاہرہ کے کتاب خانوں میں پڑی منتظر طباعت ہیں۔

ان میں اہم ترین تاریخ الاسلام ہے۔

سیراعلام النبلا مذکورہ بالا کتاب چند سال ہوئے بڑی آب و تاب سے بیروت سے پچیس جلدوں میں شایع ہوئی ہے۔ یہ پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری کے اکابر رجال اور مشاہیر کا تذکرہ ہے جو اندلس سے لے کر اقصائے ترکستان تک محیط ہے۔ آخری دو جلدیں (۲۴ویں اور پچیسویں) انڈکس کے لیے وقف ہیں، پہلی دو جلدیں اگرچہ سیرت النبیؐ اور تاریخ خلفائے راشدین کے لیے مخصوص ہیں، لیکن ان کے لیے فاضل مصنف نے اپنی تاریخ الاسلام کا حوالہ دیا ہے، اس لیے مطبوعہ کتاب کا آغاز حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے تذکرہ سے ہوتا ہے اور تیسری اور آخری جلد کا اختتام سلطان الملک المنصور نور الدین علی الترکمانی الصالحی المتوفی (۵۸۱ھ) کے حالات پر ہوتا ہے۔

فاضل مصنف کا دائرہ کار کسی خاص علم یا فن تک محدود نہیں بلکہ کتاب میں خلفاء ملوک، امراء، سلاطین، وزراء، امراء، قضاۃ، قراء، محدثین، فقہاء، ادباء، نحویوں، شاعروں، متکلموں فلسفیوں اور صوفیوں سب ہی مشاہیر کے حالات ملتے ہیں، فاضل مصنف چونکہ خود محدث ہیں اس لیے وہ محدثین کے حالات کھلے دل سے خوب لکھتے ہیں، لیکن وہ بعض شافعی اور حنفی فقہاء سے پورا پورا انصاف نہیں کرسکے، حالات کے بیان میں بھی توازن نہیں رکھ سکے اگر وہ بعض معروف مشاہیر کے حالات لکھتے ہوئے صفحے کے صفحے سیاہ کردیتے ہیں تو بعض کم نصیبوں کے حصے میں چند سطریں آتی ہیں۔ وہ مذکورہ شخصیت کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس کے علمی، ادبی اور سیاسی کارناموں کی بنا پر لگاتے ہیں۔

وہ زیر عنوان نامور کے حالات لکھتے ہوئے اس کا لقب، کنیت، تاریخ پیدائش،

تعلیم و تربیت کی تفصیل بیان کرتے ہیں، علماء کے ضمن میں ان کے اساتذہ، تلامذہ، تصانیف کی نشاندہی کرتے ہیں، پھر آخر میں اہل علم کی آراء ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں، شعراء کے بیان میں وہ ان کے کلام کے منتخب اشعار اور انشا پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کرتے ہیں۔

کتاب میں مذکورہ ناموران کی خوبیوں کے علاوہ ان کی خامیاں بھی کسی تردد کے بغیر بیان کر دیے ہیں، ... مثلاً وہ حنابلہ کے بڑے مداح ہیں، لیکن ان کے ہاتھوں امام طبری کو جو ایذائیں پہنچیں ان کا برملا ذکر کیا ہے۔ شیخ شہاب الدین مقتول سہروردی کی ذہانت و فطانت کو سراہا ہے مگر یہ بھی لکھا ہے کہ یہی حد سے بڑھی ہوئی ذہانت و فطانت ان کی موت کا باعث ہوئی۔ وہ امام ابن تیمیہ کے حد درجہ معتقد بلکہ ان سے فیض یافتہ ہیں، لیکن ان کے بارے میں صاف لکھ دیا ہے کہ وہ خود پرست اور خود رائے تھے اور بعض فقہی آراء میں جمہور علمائے امت سے الگ نظر آتے ہیں (بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۴ : ۱۴۹۷)

امام ذہبی کا اسلوب بیان صاف، شائستہ اور سنجیدہ ہے، وہ حتی الامکان عبارت آرائی سے پرہیز کرتے ہیں اور الفاظ کا بقدر معانی استعمال کرتے ہیں۔

سیر اعلام النبلاء کا قلمی نسخہ ۱۳-۱۴ جلدوں میں استانبول کے کتبخانہ احمد ثالث میں موجود تھا چند برس ہوئے کہ لبنان اور شام کے متعدد فضلاء نے مل کر کتاب کو پچیس ۲۵ جلدوں میں حسن طباعت کے جملہ لوازم کے ساتھ بیروت سے شایع کر دیا ہے۔ ان فضلاء نے تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا ہے، کتاب میں وارد اعلام، اسماء اور اماکن پر حواشی لکھے ہیں اور جن مآخذ و مصادر سے مزید معلومات مل سکتی ہیں، انکا حوالہ دیا ہے۔ ساری کتاب پر نظر ثانی محدث عصر استاد شعیب الارنوؤط کی ہے، احادیث کی تخریج کی ہے اور صحیح اور سقیم اور موضوع و ضعیف کی نشاندہی کی ہے۔ غرضیکہ یہ کتاب پہلی سات صدی ہجری کے ناموران اسلام کی معرفت کیلئے معلومات کا خزانہ ہے۔ چند برس پیشتر کتاب کا نواں۔ دسواں ایڈیشن شایع ہوا ہے۔

اخبار علمیہ

اسلامی علوم و فنون کا قابل فخر سرمایہ و ورثہ، مخطوطات کی شکل میں مختلف ممالک میں موجود و منتشر ہے، جس کو مرتب و مدون کرنے کی کوششیں تیز تر ہوتی جاتی ہیں، خصوصاً عالم عرب اور یورپ میں اس شعبہ پر خاص توجہ دی جا رہی ہے، برصغیر میں بھی یہ دولت عام ہے، مختلف اداروں نے حتی الوسع ان مخطوطات کی ترتیب و تدوین پر توجہ کی ہے، تاہم علم و دانش کے بیشمار موتی اب بھی بکھرے ہوئے ہیں اور لڑیوں میں پروئے جانے کے منتظر ہیں، اس سلسلہ میں پاکستان کے ایک فاضل و محقق ڈاکٹر احمد خاں نے مرکز حمایت المخطوطات العربیہ کو قائم کر کے ایک اہم قدم اٹھایا ہے، ڈاکٹر خان متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، امام صغانی کی متعدد تصانیف انہوں نے مرتب کر کے شایع کیں، وہ دمشق کی مشہور مجمع اللغۃ العربیہ کے رکن ہیں، اب انہوں نے مذکورہ ادارہ قائم کر کے پاکستان میں موجود عربی مخطوطات کے تحفظ پر توجہ کی ہے، ۱۹۸۳ء میں ایک جائزہ کے مطابق معلوم ہوا کہ پاکستان میں تقریباً اسی ہزار مخطوطات ہیں ان میں سے بعض عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کی فہارس تیار بھی ہو گئی ہیں، لیکن ان میں معلومات زیادہ نہیں ہیں، عربی مخطوطات میں ۸۰ فیصد سے تو علماء تک واقف نہیں ہیں، اس صورتحال کے پیش نظر شدت سے محسوس کیا گیا کہ غفلت اور بے توجہی سے یہ موتی کہیں وقت کی گرد میں چھپ کر گم نہ ہو جائیں، ڈاکٹر احمد خاں کے ادارہ کا اولین مقصد یہی ہے کہ ملک کے تمام عربی مخطوطات کا مکمل جائزہ لیا جائے اور پھر ان کی فہرست سازی،

تعلیق و تصحیح، فلم بندی اور نشر و اشاعت کا سامان کیا جائے، ان کا یہ بھی عزم ہے کہ اخبار التراثیۃ العربیہ کے ذریعہ ان مخطوطات کا عام تعارف کرایا جائے، یہ مقاصد دشوار گزار، دقت طلب اور بڑی محنت و عمل کے متقاضی ہیں جو اسی وقت ممکن العمل ہو سکتے ہیں جب تمام لوگوں خصوصاً علماء و محققین کا تعاون و اشتراک میسر ہو، مالی وسائل کی فراہمی بھی ضروری ہے، توقع ہے کہ یہ عظیم الشان منصوبہ ادارہ کے مخلص بانی کی ہمت و ولولہ سے کامیابی سے ہمکنار ہوگا، ہندوستان کے عربی قدر دانوں کا تعاون بھی اس کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے ہم خود اس سے علی گڑھ کے فاضل اجل اور اپنے خاص کرم فرما جناب پروفیسر مختار الدین احمد کے ذریعہ متعارف ہوئے، اس کے لیے ہم ان کے مشکور ہیں، ادارہ کا پتہ یہ ہے :

مرکز حمایت المخطوطات العربیہ ۲۲۳۔ شہزاد ٹاؤن، اسلام آباد، پاکستان۔

حال ہی میں نئی دہلی کے ایک اشاعتی ادارہ گیان پبلشنگ ہاؤس کا ماہانہ خبر نامہ پبلشرز پروفائل، موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ اس ادارہ نے انگریزی زبان میں تاریخ و علم الانسان پر متعدد عمدہ کتابیں شایع کی ہیں، ان دو خاص موضوعات کے علاوہ تہذیب و ثقافت، ادب، مذہب، فلسفہ، تعلیمات، معاشیات، زرعیات، بین الاقوامی مطالعات، کتب خانہ، انتظامی امور، موسیقی، تھیٹر، پولیس، جرائم، سیاسیات، نفسیات، سماجیات، دیہی ترقیات، نسائیات، سیاحت اور کھیل وغیرہ موضوعات کے متعلق جدید ترین معلومات پر مشتمل کتابوں کی ایک طویل فہرست بھی ہے، مصنفین و مولفین میں بعض مسلمان اہل قلم مثلاً احمد شاہ، افضال احمد انصار ہروانی، قمر حسن، محمد خالد معروف، ایم اے قریشی، ایم اے کلام اور ایم محمود بھی شامل ہیں، افضال احمد کی کتاب ہندوستان کے مغربی ساحل پر ہندوستان و پرتگال کی تجارت کے متعلق سنہ ۱۶۰۰ء سے سنہ ۱۶۶۳ء تک کے عرصہ پر ہے، لیکن اس ادارہ کی سب سے اہم اور

مفید کتاب دی انسائیکلوپیڈک ڈسٹرکٹ گزیٹیرس آف انڈیا ہے، ساڑھے چھ ہزار صفحات کی دس جلدوں کی اس ضخیم انسائیکلوپیڈیا میں ہندوستان کی ۲۵ ریاستوں کے ۵۲۶ ضلعوں کے متعلق ماضی و حال کے مکمل معلومات جمع کیے گئے ہیں۔ تاریخ، رقبہ، جغرافیہ، قبائل، مقامات و عمارات کی تفصیل کے ساتھ زبان، اخبارات و رسائل، اداروں اور کتب خانوں کا بھی اس میں جامع ذکر ہے، گذشتہ سال شایع ہونے والی اس نادر موسوعہ میں ۵۰۰ سیاہ سفید تصویروں کے علاوہ ۲۰۰ رنگین تصویریں، ۳۰۰ نقشے اور ۱۱۵۰ اعداد و شمار کی فہرستیں بھی دی گئی ہیں، مکمل سٹ کی قیمت بیس ہزار روپے ہے، لائق محققین کے ذریعہ جمع کردہ اس قیمتی ذخیرہ کو آل انڈیا ریڈیو کے نیوز سروس ڈویژن کے سابق ڈائریکٹر ایس، سی بھٹ نے مرتب کیا ہے۔

علم طبقات الانسان، موجودہ دور کا ایک پرکشش اور پسندیدہ موضوع ہے، ہندوستان کے طول و عرض میں ایسے بہت سے قبائل ہیں جن کی معاشرتی روایات بڑی دلچسپ ہیں، حال ہی میں ریاست میگھالیہ کے کھاسی (KHASI) قبیلہ کا ذکر ٹائمز آف انڈیا میں آیا تو معلوم ہوا کہ اب اس قبیلہ میں دور جدید کی تہذیب کس درجہ سرایت کر چکی ہے، گارو س قبائل کے علاوہ دنیا میں صرف یہی کھاسی قبیلہ ہے جو اپنے طرز معاشرت میں منفرد ہے، یہاں یہ روایت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے کہ ماں باپ کی سب سے چھوٹی بیٹی اپنے والدین کی جائداد و وراثت کی حقدار ہوتی ہے، شادی کے بعد بھی وہ والدین کے پاس رہتی ہے، اور اسے خاندان کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، اس کے بچے باپ کے بجائے اپنی ماں کے خاندان سے نسبت کے مستحق ہو جاتے ہیں، اس رواج کی بنا پر لڑکیوں کی اہمیت اولاد ذکور کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، والدین صاف اور برملا بیٹیوں کو ترجیح دیتے ہیں، اسی لیے

ان کی پرورش اور تعلیم پر بھی زیادہ توجہ دی جاتی ہے، اس ترجیح کا مشاہدہ وہاں کی شاہراہوں پر کیا جا سکتا ہے، جہاں لڑکیاں زیادہ صحت مند اور عمدہ پوشاک میں نظر آتی ہیں، جب کہ نوجوان پراگندہ بال دکھائی دیتے ہیں، اعلیٰ تعلیم کی بدولت یہ لڑکیاں زیادہ اچھی ملازمتیں بھی حاصل کرتی ہیں، جس کے نتیجہ میں مردوں میں اب عدم تحفظ اور احساس کمتری کی کیفیت عام ہے، بات یہیں تک محدود نہیں، قبیلہ کے کم حیثیت نوجوانوں کے مقابلہ میں اب یہ لڑکیاں بیرونی افراد سے ازدواجی تعلقات میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں، بیرونی افراد کے لیے اس قبائلی علاقہ میں یہ سخت قانون ہے کہ وہ یہاں زمین نہیں خرید سکتے اور تجارت کے لیے پروانۂ اجازت بھی حاصل نہیں کر سکتے، لیکن قبیلہ کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد ان کی یہ رکاوٹیں از خود دور ہو جاتی ہیں اور وہ خاندان کی جائداد و میراث کے بالواسطہ مالک بھی ہو جاتے ہیں، اس صورت حال کے پیش نظر کھاسی قبائل کے طالب علموں کی یونین نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کے پرسنل لا میں ترمیم کر کے اس قسم کی شادیوں کو ممنوع قرار دیا جائے اور بیرونی افراد کے اس علاقہ میں داخلہ پر بھی پابندی لگا دی جائے یا پھر کھاسی لڑکیوں کو حق وراثت سے محروم کر کے ان کی اولاد کی کھاسی نسبت ختم کر دی جائے، لیکن وہاں کی عورتوں نے ان مطالبات کو فضول و عبث کہتے ہوئے جواب دیا کہ اپنی شادی کے معاملہ میں وہ آزاد و خود مختار ہیں اور یہ سارا شور و غوغا محض مردوں کے غلبہ و تفوق کی جبلت کا مظہر ہے، عورتوں کے اس تیور کے سامنے حکومت بھی پرسنل لا میں مداخلت کی ہمت نہیں کر رہی ہے۔

قبائل کے ذکر کے ضمن میں یہ خبر بھی ملاحظہ ہو، گذشتہ دنوں پرنس آف ویلز شہزادہ چارلس ازبکستان کے دورے پر گئے تو انہوں نے قرآن مجید کے ایک قدیم اور خون آلود نسخہ (غالباً مصحف عثمانی) کی دید و زیارت میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا، اس کے علاوہ

انہوں نے ایک شادی کے لباس عروسی کو بھی بہت پسند کیا، اسلام اور اسلامی روایات سے شہزادہ کے اس شغف کا راز یہ بتایا گیا کہ قبیلہ قریش سے ان کا پشتینی رشتہ ہے، جو آنحضورؐ کے ایک جد عبد شمس تک پرنس کی ایک دادی ملکہ میری کے ذریعہ پہنچتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک صحافی کی دریافت میں یہ ملکہ چنگیز خاں کی نسل سے ہے۔

بنی نوع انسان کی اصل و ابتدا کتنی قدیم ہے؟ اس سوال کا جواب قطعیت کے ساتھ تو شاید کبھی نہ مل سکے، قیاسات و خیال ہمیشہ جدا جدا رہیں گے، لیکن ۱۹۹۶ء میں افریقہ میں ایک جبڑے کی دریافت نے قطعی طور پر یہ ضرور ثابت کیا کہ انسان کی اصل و ابتدا کو مزید چار لاکھ سال قدیم بنا دیا، شمالی حبش کے مرتفع حصہ مضر میں ایک وسیع و عریض خطہ میں خام پتھروں کے بکھرے ہوئے علاقہ سے یہ جبڑا برآمد ہوا ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ۲ر۳۳ ملین سال قدیم ہے، اس عمر کے تعین سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ انسانی نسل کا سب سے قدیم ترین نمونہ ہے، اس جبڑے کی عمر کی یہ تعیین کس حد تک درست ہے؟ یہ سوال زیادہ اہم نہیں، اہمیت اس بات کی ہے کہ موجودہ انسانی طبقات کی اصل اب اس قدیم عہد کے اور قریب تر ہو گئی ہے جب بنیادی ماحولیاتی عہد ۲ر۵ ملین سال پہلے شروع ہوا تھا اور جس کی وجہ سے انسان کے قد و قامت اور اس کے طبعی احوال پر اپنا اثر دکھانا شروع کیا تھا، سائنسدانوں کے خیال میں یہی وہ عہد تھا جب یورپ اور شمالی امریکہ میں برفانی یورش ہوئی تھی اور اس سے افریقہ کی آب و ہوا اور موسم بھی بایں طور متاثر ہوا تھا کہ وہ زیادہ خشک اور زیادہ سرد پڑ گیا تھا، ان قدرتی اور طبیعاتی اور ماحولیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے بنی نوع انسان میں زبردست تبدیلیاں آئیں اور جو بالآخر عہد جدید کے انسان کی موجودہ ساخت و ہیئت پر منتج ہوئیں، عجیب بات یہ ہے کہ اس سے انسان کے جسم کا سب سے قدیم نمونہ بھی حبش میں دریافت ہوا

ع۔ ص۔

آثار علمیہ و تاریخیہ

مکاتیب علامہ سید سلیمان ندوی

بنام

صوبیدار حافظ جلیل صاحب بھوپالی

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو معارف دسمبر ۹۶ء)

بھوپال
۶ دسمبر ۱۹۴۶ء

عزیز مکرم ! شفاکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا پہلا خط بھی ملا اور آج بھی کارڈ۔ اس محبت کا شکریہ! آپ کی ترقی کے حالات سن کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد تندرست بنا دیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ مع الخیر ہوں اور آپکے لیے دعاگو۔

میں نے شاید آپ کو لکھا تھا کہ خان بہادر ڈاکٹر مولا بخش آپ کے اندور والے معالج اب یہیں چیف میڈیکل آفیسر ہو کر آگئے ہیں۔

بحمد اللہ قرآن پاک کا دوسرا دور ہو رہا ہے، آج کل چوتھا پارہ ہے، کچھ نئے لوگ اور بھی آگئے ہیں،

آپ کے بچے کے بارہ میں مولوی شرافت صاحب نے بیان کیا کہ ان کی پچھلی تعلیم اس قدر کمزور ہے کہ وہ موجودہ زیر درس کتابیں سمجھ نہیں سکتے۔

تبدیل آب و ہوا کے لیے کراچی کی تجویز ڈاکٹر نے کی ہے مناسب ہے۔ خدا کرے کہ اس کا جلد موقع ملے، مولوی شرافت صاحب کو آپ کا خط دکھا دیا، وہ وطن سے واپس آچکے تھے۔

آج کل آپ کے بھائی صاحب سیاست کے بحران میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں۔

والسلام۔ سید سلیمان ندوی

کراچی ۵۔ چمن اسٹریٹ ۵ ستمبر ۱۹۵۱ء
ڈار منزل۔

مکرم شفاکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ ملا، احوال سے آگاہی ہو کر خوشی ہوئی، میرا پتہ تو آپ حافظ عمران خاں صاحب سے پوچھ سکتے تھے۔ آپکے بھائی صاحب سے لاہور میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ صاحبزادہ بھی آئے، آپ کی خیریت بھی معلوم ہوئی۔

آپکا خواب خدا کرے میرے لیے فالِ نیک ہو، منام میں جوانی اور تندرستی باطنی جوانی اور تندرستی کی بشارت ہو، بحمد اللہ تعالیٰ اچھا ہوں جس حال میں ہوں اور جس جگہ بھی ہوں مسلمانوں کی دعاگوئی میں مصروف ہوں۔

آپ کی جمع کردہ کتابوں کی بربادی سے افسوس ہوا۔ بہر حال آپ پھر محنت کریں گے تو دوسرا سرمایہ اور جمع کر لیں گے۔ دار المصنفین سے جی چاہے تو بزم صوفیہ منگوا لیں، لکھنؤ سے جامع المجددین مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی انہیں سے بارڈنگ روڈ لکھنؤ کے پتہ سے خط لکھ کر منگوا لیں، مولانا تھانوی کے مواعظ اور ملفوظات ضرور پڑھ لیں، مولانا عبدالباری صاحب ہی سے اگر آپ خط و کتابت کریں تو وہ مفید مشورے دیں گے۔

خوشی ہوئی کہ سو ڈیڑھ سو گز آپ صرف ایک لکڑی کے سہارے چل لیتے ہیں، اللّٰھم زد فزد۔ میں یہاں مسلمانوں کو وعظ و نصیحت اور علوم دینی کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہوں اور جو خدمت اسی قبیل کی مجھ سے بن آئے۔

احباب کی خدمت میں سلام کہیے، آپ کے لیے دل سے دعا کرتا ہوں، آپ کے ایر میل کا کاغذ بیرنگ ہو کر ملا۔ تین آنے کا ٹکٹ چاہیے۔

سید سلیمان ندوی

معارف کی ڈاک

مکتوب دہلی

ذاکر نگر۔ نئی دہلی

۲ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۹۷ء

محبی مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب۔ سلام ورحمت

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی مرحوم پر میرے مضمون کے بارے میں پروفیسر ریاض الرحمن خاں صاحب شروانی کا جو والا نامہ جنوری ۹۷ء کے معارف میں شایع ہوا ہے اس سلسلے میں خاکسار راقم الحروف کی گزارش حسب ذیل ہے:۔

میں نے اپنے مضمون میں یہ لکھ دیا تھا کہ "مرحوم ضیاء الحسن فاروقی صاحب کے بارے میں ان کی پرسنل فائل سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں، جن کی خوبی یہ ہے کہ یہ خود ان کے قلم کے مرہون منت ہیں"۔

اب اگر اس میں کوئی خامی یا غلطی ہے تو اصولاً اس کی ذمہ داری مرحوم پر ہے، نہ کہ مجھ پر۔ ان غلطیوں میں ایک میرا ناکردہ گناہ یہ ہے کہ بقول پروفیسر شروانی صاحب "مرحوم ضیاء صاحب جامعہ میں ذاکر حسین چیر پر فائز رہے تھے آپ کے مضمون میں یہ نہیں ہے"۔ یہ بات صحیح ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات محقق نہیں ہے، اس اعتراض کو پڑھنے کے بعد جامعہ کے چند سبکدوش سینیر اساتذہ سے میں نے معلوم کیا تو میں نے محسوس کیا کہ

اس کے بارے میں کسی کا ذہن صاف نہیں ہے۔ بالآخر مجھ سے کہا گیا کہ میں رجسٹرار آفس سے رجوع کروں۔ ابھی حال میں ایک نئے رجسٹرار تشریف لائے ہیں۔ ان سے میں نے عرض کیا کہ براہ کرم تکلیف کرکے اس مسئلے پر ضروری معلومات مہیا فرماکر ممنون فرمائیں۔ ظاہر ہے اس میں وقت لگے گا۔ اس عرصے میں اگر محترم پروفیسر شروانی صاحب مطلع فرمائیں کہ ذاکر حسین چیر کے بارے میں ان کا ماخذ کیا ہے تو عنایت ہوگی۔

میرے مضمون میں صفحہ ۴۶۳ کے تیسرے نمبر پر ایک سہو کتابت ہے۔ یہاں درج ہے کہ ۱۹۴۸ء میں ایم' اے' کیا۔ دراصل یہاں بی' اے ہونا چاہیے۔

محترم شروانی صاحب نے ایک اور اہم بات کا انکشاف کیا ہے۔ وہ یہ کہ "مولانا آزاد کی انگریزی سوانح حیات مکمل نہیں ہے۔ بلکہ ۱۹۴۰ء تک ہے"۔ افسوس کہ اس سلسلے میں میں کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ ان کے لائق صاحبزادے سے صحیح صورت حال معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ انشاء اللہ!

عبداللطیف اعظمی

مکتوب اکبر پور

اکبر پور (اودھ)

۲۰-۱-۹۷ء

محب معظم جناب مولانا اصلاحی صاحب! سلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ

میں اعظم گڈھ کے تعزیتی سفر سے پچھلی شام ساڑھے سات بجے یہاں پہونچا۔ معارف جنوری پر ایک نظر ڈال لی۔ اپنا مضمون تو ٹھیک سے دیکھ لیا۔ شکر گذار ہوں کہ آپ نے یہ تیکھا تعقب شایع فرمایا۔ کتابت خوش نما اور طباعت صاف ہے۔ اغلاط عدداً تو

نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن جو ہیں وہ بڑی معنویت کی حامل ہیں۔

ص ۴۳ پر شیعہ پوسٹ گریجویٹ کالج میں شیعہ اشعبہ ہوگیا ہے۔

دوسری غلطی بھی بڑی فاحش قسم کی ہے۔ ص ۶۲ پر "حق نیوشی" کو حق پوشی کر دیا گیا ہے۔
ہوسکتا ہے کہ اس میں میری بدخطی اور غلط نویسی کا بھی دخل ہو۔

دوسری گزارش آپ کے تحشیے سے متعلق ہے۔ آپ نے دادی اور لفظ پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے: "مقالہ نگار کے تذکیر و تانیث کے اپنے خاص مرجحات / ترجیحات ہیں"۔ مجھے اس بات پر زور دینا ہے کہ یہ میرے نجی کے مختارات نہیں ہیں۔ دبستانی تقلید کے تابع ہیں۔ ہر چند لکھنؤ اب خاموش بلکہ گنگ ہو چکا ہے، پھر بھی ہمارے وہ اصحاب جو ابھی کالجوں یا یونیورسٹیوں میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور وہاں کی بولی بولنے کے پابند نہیں ہیں وہ لفظ کو برسر منبر مونث بولتے ہیں اور ہدف اعتراض بنتے ہیں۔

مولوی حافظ عمیر الصدیق صاحب سے سلام و اکرام کے بعد یہ یاددہانی کرنا ہے کہ اس پاکستانی مدرک کی عکسی نقل مجھے لکھنؤ کے پتے سے ارسال فرمانا فراموش نہ فرمائیں۔ جس میں جناب سید صاحب مرحوم کی تاریخ ولادت کی بحث ہے۔

حضرت باری آپ حضرات کو ماہ مبارک صیام کے برکات اور عید سعید فطر کے لذات سے متنعم و مثاب فرمائے۔ آمین فقط بندۂ اخلاص

سبط محمد نقوی (چیف ایڈیٹر ہماری توحید، لکھنؤ)

باب التقریظ والانتقاد

سید سلیمان ندوی۔ حیات اور ادبی کارنامے

از جناب سبط محمد نقوی صاحب۔ لکھنؤ

(۲)

جیسا کہ آگے چل کر آپ اور واضح طریقے سے ملاحظہ فرمائیں گے، راقم عاجز کی رائے ناقص میں محقق کریم سید صاحب کے عرفانِ ذات و کمالات سے قاصر رہے ہیں، اس لیے انہیں اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ جیسے بیرا اوڑ نہیں سکتے۔ یہ مرید رشید زور لگا کر اڑا رہے ہیں۔ یہ سید صاحب کی منقبت نہیں، منقصت ہے۔ وہ جامع و کامل شخصیت کے مالک تھے۔

اب آخر میں اہم سوال جس کا ہمیں تفصیلی جائزہ لینا ہے، وہ مولانا شبلی اور سید صاحب کے اختلافات ہیں، لیکن اس بحث میں داخلے سے پہلے دو ایک معمولی فروگزاشتوں کی طرف متوجہ کر دوں۔

کتاب کے ص ۱۰۰ پر لکھا ہے کہ مولوی مسعود علی ندوی کے ذریعہ محمود آباد میں ایک جگہ کوشش کرنے کے لیے لکھا تھا۔ اس اندراج کے لیے مکاتیب شبلی ج ۲ کا حوالہ دیا ہے۔ افسوس ہے کہ مجموعہ ہائے مکاتیب میرے سامنے نہیں ہیں لیکن جیسا کہ سید صاحبؒ نے حیات شبلی میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم راجہ (بعد میں مہاراجہ) محمد علی محمد خاں تعلقہ دار محمود آباد نے لکھنؤ میں مولانا کو نجف کے پاس زمین دلانے کی جو پیش کش کی تھی اس حوالے سے فرما رہے ہیں۔ جس کے فہم سے محقق عاجز رہے ہیں۔[۱] (دیکھیں حیات شبلی ص ۲۹۶)

(حاشیہ ص ۱۴۹ پر)

ص۱۹۱ کے حاشیے میں مولوی مسعود علی صاحب اور سید صاحب کی ناچاقی کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ سید صاحب کے جانے کے بعد دارالمصنفین میں وہ لوگ نہیں رہ گئے جو سید صاحب کے زمانے میں تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ تحقیق کے دوران ہاشم صاحب شبلی منزل سے اعانت لیتے رہے۔ اتنا ممنون و متاثر ہوئے کہ کتاب کے انتساب میں ندوہ کے ساتھ اسے شریک کیا۔ پھر بھی یہ معلوم کرنے سے قاصر رہے کہ شاہ معین الدین احمد اور مولوی صباح الدین عبدالرحمن کو سید صاحب کی رفاقت[۱] میں کتنے کتنے دن کام کا موقع ملا۔

شبلی اور سرسید کے اختلافات

اب ہم کو شبلی اور سرسید کے اختلافات کا جائزہ لینا ہے۔

اس مبحث میں داخل ہو کے یہ احساس شدت اختیار کرتا ہے کہ ہاشم صاحب کی دلچسپی سید صاحب کی شان بڑھانے میں اتنی نہ تھی جتنی مولانا شبلی کی حیثیت گھٹانے میں تھی۔

سید صاحب لاکھ مولانا کے ساختہ پرداختہ سہی لیکن ان کے سوانح حیات میں استاد کے اتنے تفصیلی جائزے کی قدرتی گنجائش نہ تھی لیکن بہانۂ بسیار کے طور پر حیات شبلی کے جائزے کے پیرائے میں آورد کی راہ سے یہ گنجائش نکال لی گئی، کتاب کی طول طویل عبارتیں نقل کرنا طول عمل کا باعث ہوگا لہذا محض مطلب پیش کر کے گفتگو کی جائے گی۔

(حاشیہ ص۱۴۰) مبصر کا خیال صحیح ہے، مولانا شبلی مولوی مسعود علی ندوی کو لکھتے ہیں "ایک کام کرنے کا تو یہ ہے کہ دارالمصنفین کا بندوبست کرو، راجہ صاحب محمود آباد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے نجف کے پاس زمین لی ہے، چاہو تو وہیں تم کو بھی دلا دوں۔" مکاتیب شبلی بنام مولوی مسعود علی ندوی خط نمبر ۱۵ حصہ دوم (ض) لہ اس وقت مذکورہ بالا دونوں حضرات کے علاوہ مولانا عبدالسلام ندوی مصنف شعر الہند، مولانا ابوالجلال ندوی مرحوم، مولوی سید ریاست علی ندوی مرحوم وغیرہ اور خود مولوی مسعود علی ندوی صاحب موجود تھے۔ (ض)

انگریزوں کی حمایت سرسید قوم کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ شبلی انگریزوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں کے نکتہ چیں تھے۔ یہ بات درست ہے۔ یقیناً یہ فکری اختلاف تھا اور اپنے اپنے موقف میں دونوں بجا تھے لیکن عملی زندگی میں تو اس کا کوئی ناگوار اثر مشاہدے میں نہیں آیا۔ انگریز دشمنی کے باوجود برطانوی حکام نے مولانا کو شمس العلماء کے خطاب سے نوازا اور مولانا نے اسے خاموشی کے ساتھ نہیں خوشی کے اظہار کے ساتھ قبول فرمایا، یہ تاریخی سانحہ ہے کہ ان دونوں مفکروں نے کوئی متفقہ راستہ نہیں نکالا ورنہ شاید ملت اسلامیہ کی فلاح کی بہتر سبیل ہو سکتی۔ قیاس کا قرینہ یہ ہے کہ اگر مولانا نے انہام و تفہیم کی سعی کی ہوگی تو وہ اس لیے نامشکور ہوئی ہوگی کہ سرسید انگریز اساتذہ اور اپنے صاحبزادے سید محمود کے اثر میں تھے اور ان لوگوں کی رائے کے خلاف کسی اقدام سے معذور تھے۔

۲۔ الفاروق کی تصنیف پر مولانا اور سرسید میں اختلاف ہوا اور اسے سرسید نے ذاتی مسئلہ بنا لیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سرسید اس کتاب کی تصنیف کے خلاف تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے مولانا کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی اور آخر وقت تک جی سے راضی نہ تھے لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ محض سُنّی۔شیعہ اختلاف ابھرنے کے اندیشے سے الفاروق کی تصنیف سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس میں سرسید کے معتقدات بھی حائل تھے۔ وہ طباع بزرگ تھے اور انہوں نے کافی نرالے خیالات قائم کر لیے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ خلفائے راشدین اور حضرت علی سمیت ائمہ اہل بیت کو وہ جامع الجہتین نہیں سمجھتے تھے۔ ایک کو جہانبانی کا اہل اور دوسرے کو روحانی رہبری کے لائق سمجھتے تھے۔ یہ ان کے اپنے مفروضے تھے جس سے کوئی فریق متفق نہیں ہو سکتا تھا، لیکن وہ اپنے اسی ایک خیال میں متفرد نہ تھے، جنات کے وجود، حضرت عیسیٰ

کی ولادت' دعا کا مسئلہ بہت ساری باتیں ایسی تھیں جن پر وہ اپنی اکیلی رائے رکھتے تھے۔

لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کہ سرسید الفاروق کے سوال کو اپنا ذاتی یعنی انا کا مسئلہ بنائے تھے، ہاشم صاحب اگر حیات شبلی توجہ اور یکسوئی سے ملاحظہ کرتے تو انہیں یہ معلوم ہوجاتا کہ جب منشی سراج الدین صاحب نے الفاروق سے پہلے سیرۃ الفاروق لکھ کے چھپوادی تو سرسید نے اپنی ناراضامندی کا برملا اظہار فرمایا۔ مولانا خود راوی ہیں کہ سید صاحب الفاروق کے اوراق دیکھنے کے مشتاق ہوتے تو میں مسکرا کے کہتا کہ غزل مشاعرے سے پہلے نہیں سنائی جاتی۔ علی گڑھ سے مولانا کی علیحدگی میں الفاروق کا ہاتھ ہونے کا خیال درست نہیں ہے۔ اگر درست ہو بھی تو قدرِ قلیل ہے۔

۳۔ پہلے سرسید اپنی سوانح عمری شبلی سے لکھوانا چاہتے تھے، ان کے راضی نہ ہونے پر حالی کو منتخب کیا۔ یہ درست ہے اور یقیناً مولانا شبلی کے انکار نے سرسید کو کبیدہ کیا ہوگا۔

لیکن سرسید اور مولانا شبلی کے مابین اتنا ہی معاملہ نہ تھا اور باتیں بھی تھیں مثلاً:

(۱) مولانا کی کانگریس کی حمایت۔ چاہے وہ کسی انداز اور کسی درجے کی رہی ہو۔

(۲) ترکوں کی فتح پر مولانا اور عام مسلمانوں کی مسرت اور سرسید کی کلفت۔

(۳) عربی کی تعلیم اور اس میں اصلاحات جو سرسید کے لیے بڑی آزردگی کا مسئلہ تھا۔

(۴) سرسید کی تفسیر کے عربی ترجمہ سے مولانا حمید الدین فراہی کی معذرت' اس بنیاد پر کہ یہ کام لا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے ذیل میں آتا ہے۔ سرسید کا اس سے یہ گمان کرنا کہ یہ صاف جواب مولانا کے اشارے پر فراہی صاحب نے دیا ہے۔ ضرور بُعد کا باعث ہوا ہوگا۔

(۵) دعا و استجابت کے سوال پر سید صاحب کے مضمون کا اعظم گڑھ سے جواب لکھا جانا۔ ہر چند لکھنے والے ہندو بزرگ تھے اور علی گڑھ کے متوطن۔ اسے بھی سرسید کا خیال کرنا کہ یہ مولانا کے اشارے سے ہے۔

یہ منفی اسباب ہیں جو علی گڑھ سے مولانا کی بددلی اور انجام کار علیحدگی کے باعث ہوئے۔

ان کا مثبت رُخ یہ ہے کہ مولانا علی گڑھ یا حیدرآباد کہیں بھی شخص من الاشخاص ہو کے نہیں رہ سکتے تھے۔ اپنے زمانے کے وہ کسی مفکر یا مصلح سے کم رتبہ نہ تھے۔ ان کے سامنے سب سے پہلا سوال اپنی راوت واڑہ نومسلم راجپوت برادری کی تعلیمی و سماجی حالات کی اصلاح کا تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً موازنہ قومی کے جلسے کیے کرتے تھے، نیشنل اسکول جواب ماشاء اللہ پوسٹ گریجویٹ ڈگری کالج ہے یا بعد میں مدرسۃ الاصلاح سرائمیر سب اصل میں موازنہ قومی کے نتائج کے پیداوار ہیں۔ پھر ندوۃ العلماء یا دیگر ملی مسائل میں وہ موثر کردار ادا کرنا چاہتے تھے۔ تصنیف و تالیف میں خود مشغول رہنے کے ساتھ وہ تصنیفی ادارے قائم کرنے کی تمنا رکھتے تھے، یہ سب علی گڑھ اور حیدرآباد کی پابند حاضری میں کہاں ممکن تھا۔

مُوے پر ایک تازیانہ یہ ہوا کہ مولانا کو علی گڑھ سے متعلق رہنے کے لیے سرسید اور مسٹر بک اس بات پر راضی تھے کہ مولانا صرف چھ مہینے علی گڑھ میں رہیں اور چھ مہینے آزاد رہ کے اپنا کام کریں۔ اس میں سید محمود آڑے آگئے۔ پھر بھی آب و دانہ کہیے یا امر ہونی بہ وقت کہیے سرسید کی زندگی تک گاڑی لشٹم پشٹم چلتی رہی۔

ان مسائل کے ساتھ مولانا کی تندرستی کا مسئلہ بھی تھا۔ یہاں ہم یہ اشارہ بھی کرنا چاہیں گے کہ اگر سرسید کو مولانا سے کد ہوتی اور وہ ان سے پنڈ چھڑانا چاہتے تو شش ماہہ

قیام پر کیوں راضی ہوتے۔

ابھی لکھنے کی بڑی گنجایش ہے۔ لیکن کہاں تک! محقق تبحر کے موضوع سے ربط کا یہ عالم ہے کہ رقمطراز ہیں کہ "یہاں تک کہ اس عہد کے عظیم عربی اسکالر مولانا حمید الدین فراہی بھی ان کو (یعنی شبلی کو) سند مانتے" ص۲۹۶۔ کیسے مانا جائے کہ ان بیچارے نے حیات شبلی سلیقے سے پڑھی ہے یا شبلی کی نسبت معقول معلومات رکھتے ہیں۔ سید سلیمان تو بعد کی چیز ہیں اقرب تو فراہی صاحب ہی ہیں۔ ماموں کے بیٹے، شاگرد، مستفیض اور مطیع و مستعد رفیق کار ان کی نشاندہی اس طرح ہورہی ہے کہ جیسے غیر اور اجنبی ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ محقق خود اس دیار علم میں اجنبی ہیں۔

فاضل محقق نے یہ تاثر دیا ہے کہ وہ سید سلیمان کے عقید تمند ہیں اور اسی وجہ سے تحقیق کا پاپڑ بیل رہے ہیں، لیکن دراصل جہاں سید صاحب ان کو اپنے ہم نوا نہیں لگے، وہاں انکو جنبہ دار قرار دینے میں تکلف سے کام نہیں لیا ہے۔ وحید قریشی، محمد امین زبیری، محمد اکرام اور پروفیسر خورشید الاسلام ایسے منتقد ین شبلی کی رائیں لکھی ہیں۔ دبی زبان سید صاحب ایسے جید عالم کو جواب سے قاصر بھی ظاہر کیا ہے۔ معتقدین شبلی کا کہیں ذکر نہیں۔ عبد اللطیف اعظمی تک کا نہیں۔

حد یہ ہے کہ سر سید ایسے آمریت پسند کے مقابلے میں مولانا کو محرور المزاج، زود اشتعال، راجپوتانہ طینت کا آدمی یا ایسا ہی کچھ بتایا ہے۔ شبلی ایسی ہی ناپسندیدہ شخصیت ہوتے تو ان کی حمایت میں ندوہ میں ایسی تاریخی اسٹرایک ہوتی نہ حکیم اجمل خاں سے لے کر مولانا محمد علی تک کے ایسے رہنما ان کے حامی ہوتے۔ سر سید سے احباب کی مفارقت کا جو سلسلہ مولوی سمیع اللہ خاں سے چلا وہ آخر میں اس درجے تک پہونچا کہ ان کے

فرشتہ مزاج مناقب نگار مولانا حالی تک کو متزلزل کر گیا۔ مگر یہ سر سید سے بڑھ کے سید محمود کی دین تھی۔

ہم اس توقع پر یہ گفتگو تمام کر رہے ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے طلاب کرام ہمارے معروضات پیش نظر رکھیں گے اور ان معروضات کی روشنی میں مصنف محقق اگلی اشاعت کے لیے کتاب پر نظر ثانی کریں گے۔ ضرورت ہوئی تو جو کچھ اجمالاً عرض کیا گیا ہے اس کی تفصیل بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ ہم اس کے بھی متدعی ہیں کہ اگر کہیں نگاہ سے چوک ہوئی ہو تو ہمیں خبردار کر دیا جائے۔

یہاں پہنچ کر مجھے دفع دخل مقدر کی اجازت دیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کسی دل میں خطرہ پیدا ہو کہ میری غرض اس خامہ فرسائی سے سید علامہ کی کسر شان ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ میں سید صاحب کے افاضات سے مستفیض ہوا ہوں۔ انہیں علامۂ روزگار، مثال بے مثالی سمجھتا ہوں۔ یہ بیشک ہے کہ میں انہیں علامہ شبلی نعمانی سے اعلم یا اہم نہیں سمجھتا۔ چونکہ فاضل محقق نے اسی تصور کو نصب العین کر کے اپنی تحقیق کا تانا بانا بنا ہے[1]۔ اس لیے اس مطالعے کی ضرورت لازم آئی ورنہ سید صاحب کے تعلق سے ایک نازیبا لفظ لکھ دینے پر ایک عزیز دوست سے مہینوں تو تو میں میں بحث کرتا رہا۔ جو معارف کے موجودہ مدیر کی مداخلت پر بند ہوا۔

مقصد یہ ہے کہ اردو میں ریسرچ کا جو معیار ہو گیا ہے۔ جس کا ماہنامہ آج کل دلی میں ادھر بہت مذکور رہا اس کا ایک نمونہ پیش کر دیا جائے۔ ریسرچ اسکالر کو تو سند کی فکر رہتی ہے کہ وہ ہاتھ لگے اور استحقاق ملازمت کو مستحکم کرے۔ لیکن سپروائزر صاحبان، ممتحن صاحبان اور اکادمیوں کے ماہرین فن جو امداد کی منظوری کے لیے مسودوں کی جانچ پرکھ کرتے ہیں وہ اتنے ناقص مسودات کو کیا سمجھ کے ڈگری اور امداد کے لیے منظور کرتے ہیں۔

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہونے والے سمینار میں محقق موصوف کے اسی طرز عمل سے آزردہ ہو کر مرحوم سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب سمینار ہال سے باہر ہو گئے تھے اور اس وقت کے وائس چانسلر سید حامد کی معذرت و معافی کے بعد ہی پھر واپس گئے۔ (معارف)

اس سلسلے کا آغاز ہی ہم نے دبستان ولی اللّٰہی سے استاذ الہند ملا نظام الدین کے تلمذ کے سوال سے کیا تھا۔ لیکن وہ مختتم گفتگو تھی۔ آپ نے ملاحظ فرمایا ہوگا کہ زمانۂ ولادت کے اعتبار سے صرف شاہ ولی اللّٰہ صاحب کی ہی ذات عالی صفات ایسی تھی جس سے بہ ہزار تکلف کسی تلمذ کا امکان ہو سکتا تھا! اس کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے دبستان کے مورخ معتقد مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے شاہ صاحبؒ کے دبستان "شاہ ولی اللّٰہ اور ان کا خاندان" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جسے مکتبہ جامعہ نے شایع کیا ہے۔ اس میں حکیم برکاتی صاحب نے شاہ صاحب کی توقیت بھی درج کی ہے۔ اس کی رو سے شاہ صاحبؒ کے "فراغت درس و اجازت تدریس" کا زمانہ ۱۱۲۹ھ/ ۱۷۱۷ء بتایا ہے۔ (ص۱۹) اس کا صریحی مطلب یہ ہوا کہ اگر ملا نظام الدین (ولادت ۱۰۸۹ھ/ شاہ صاحب کے اولین تلمیذ بھی ہوتے تو ۱۵ سالہ استاد کے حضور میں چالیس سال کی عمر میں زانوئے ادب تہ کرتے۔ بھلا یہ عقل میں سمانے والی بات ہے! اسے چھوڑ دیں تو اور دوسری بین شہادت بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ برکاتی صاحب نے دعوائے حصر کے ساتھ شاہ ولی اللّٰہ صاحب کے تلامذہ اور مریدین کی فہرست دے دی ہے (ص۳۵) ان میں ملا صاحب کا اسم گرامی شامل نہیں ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ استاذ الہند ایسا نابغۂ روزگار استاذ، کبیر السن حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوتا اور اس کا نام فخر و مباہات سے رقم نہ کیا جاتا۔ شاگردوں کی اس قلت تعداد پر محمود احمد صاحب روشنی ڈالتے ہیں :۔

"... اس کی وجہ شاہ عبد العزیزؒ کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ شاہ صاحب نے صرف جوانی میں تدریس کی طرف توجہ کی تھی اور اس کے بعد جب اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو مختلف فنون کے ماہر تھے تو مدرسہ ان کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے ..." (ص۳۰)

اس گفتگو سے آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ استاذ الہند ملا نظام الدین کا ذکر دبستان ولی اللّٰہی کے شاگردوں میں کیا جانا بالکل بے اصل ہے۔ معلوم نہیں کہ فاضل محقق کس رو میں بہہ گئے۔ (باقی)

مطبوعات جدیدہ

نوادر امدادیہ مرتبہ جناب پروفیسر نثار احمد فاروقی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۲۸۶، قیمت درج نہیں، پتہ: حضرت سید محمد گیسو دراز تحقیقاتی اکیڈمی، روضہ منورہ بزرگ، گلبرگہ شریف، کرناٹک۔

مولانا اشرف علی تھانوی اپنے مرشد و شیخ طریقت حاجی امداد اللّٰہ مہاجر مکی کے احوال و ملفوظات کے متعدد مجموعے اپنی زندگی میں شایع کر چکے تھے، اب یہ خدمت سلوک و تصوف کی کتابوں سے خاص اشتغال رکھنے والے مشہور عالم و محقق جناب نثار احمد فاروقی انجام دے رہے ہیں، امداد المشتاق اور مرقومات امدادیہ کے بعد یہ کتاب بھی ان کی ترتیب و محنت کے نتیجہ میں شایع ہوئی ہے، یہ حضرت حاجی صاحب کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو ان کے مرید و دست گرفتہ مولانا عبد السمیع بیدل رام پوری صاحب انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ کے نام تھے، حاجی صاحب نے اپنے اکثر خطوط میں اپنے دیوبندی خلفاء کے مسلک کے برخلاف مولانا بیدل کے مسلک کی حمایت کی ہے جو فاتحہ، چہلم اور قیام میلاد وغیرہ کے قائل تھے، ہر خط کا اصل عکس بھی دیا گیا ہے، کتاب کا مدلل و مفصل مقدمہ ایک اضافی خوبی ہے جو انوار ساطعہ کے مسائل کے جواز و عدم جواز کی بحث کو اور دلچسپ بناتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مرتب کی نظر ان مسائل پر بھی بہت کچھ ہے، البتہ انہوں نے جس طرح بعض تاریخی روایتوں سے استدلال کیا ہے وہ محل نظر ہے، مثلاً قبر پر نذر ماننے اور حاجات طلب کرنے کے اہل روم کے عمل کو صدر اسلام کا رائج معمول قرار دینا، یا حضرت عمرؓ اور دوسرے کبار صحابہؓ کی موجودگی میں

حضرت زینبؓ بنت جحش کی قبر پر چادر چڑھایا جانا وغیرہ باقی مکتوب نگار و مکتوب الیہم کے حالات دکوالف فاروقی صاحب کے ذوق و معیار تحقیق کے عین مطابق ہیں، پیش لفظ خانقاہ خواجہ گیسو درازؒ کے سجادہ نشین کے قلم سے ہے، اس نادر کتاب کی خوبصورت طباعت و اشاعت میں ان کی توجہ و عنایت بھی شامل ہے۔

غالب کے چند نقاد از جناب ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۴۲، قیمت ۶۰ روپے، پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ ایوان غالب مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

سلسلۂ غالبیات کی یہ ایک اور کڑی ہے جس میں غالب کے سترہ طرفدار و نکتہ چیں نقادوں کی تنقید و تحقیق کا جائزہ لیا گیا ہے، مولانا حالی سے خورشید الاسلام تک، اس فہرست میں مہر و بجنوری بھی ہیں، اور عبد اللطیف و یگانہ چنگیزی بھی ہیں، فاضل مصنف اردو کے معروف نقاد اور اہل قلم ہیں، اس لیے مدح و قدح کا یہ محاکمہ ان کے قلم کے ذریعہ کھرا اور دلچسپ ہے، انہوں نے محنت و سلیقہ سے اور غیر جانبداری سے ہر ناقد کی تحریر کا جائزہ اور خلاصہ پیش کر دیا ہے، ان کا طرز نگارش بھی رواں اور سادہ ہے البتہ زبان و بیان پر کہیں کہیں علاقائی اثر آگیا ہے، مثلاً "اگر عبد الصمد کوئی حقیقی شخصیت ہوتی تو حالی ان سے ملاقات کیے ہوتے یا نہیں؟" "انہوں نے قتیل وغیرہ کو خاطر میں نہیں لایا۔" "انہوں نے غالب کے تعلق سے اس کو کام میں لایا"۔ اپنی کی جگہ ہماری تہذیب و تمدن..؛ مباحث میں 'ایک حد تک' 'کسی حد تک' 'بڑی حد تک' جیسے جملوں کا استعمال کثرت سے ہے، حالانکہ حد مجہول و موہوم ہے، لفظ و نیز کی تکرار بھی گراں گزرتی ہے 'بغایت سادگی کے ساتھ' ایک جملہ میں موجود ہے، ان تسامحات سے کتاب کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی، یہ غالب شناسی میں مفید اضافہ ہے۔

تحقیقی گوشے از جناب ڈاکٹر رئیس انور، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت مناسب، مجلد، صفحات ۱۲۰، قیمت ۶۰ روپے، پتہ: دانش کدہ، شاہ ٹولی، دانا پور کینٹ، پٹنہ ۸۰۱۵۰۳۔

گیارہ مضامین اور چھوٹی تقطیع کے ایک سو بیس صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ بقامت کہتر بقیمت بہتر کا صحیح مصداق ہے، نصف سے زیادہ مضامین کا تعلق بنگال میں اردو زبان کے مختلف گوشوں سے ہے، ان کی گذشتہ تالیفات کا موضوع بھی یہی رہا ہے، اس طرح اب وہ بنگال میں اردو کے ماہر ہو گئے ہیں، اس کتاب کے مضامین ان کی تحقیق و جستجو اور مطالعہ کی وسعت کے غماز ہیں، خصوصاً کلکتہ میں علمی اداروں، مطبعوں اور کتابوں کے متعلق ان کے دونوں مضمون بہت عمدہ اور پُر از معلومات ہیں، انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تعلیمی کارگزاریوں کے پس منظر میں انگریزوں کی منصوبہ بندی اور پیش بیں حکمت عملی کی نشاندہی کر کے اپنے مطالعہ کی گہرائی کا ثبوت دیا ہے، مدرسہ عالیہ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ وہ ہندوستان میں مشرقی علوم و السنہ کا پہلا ماڈل ادارہ قرار دیا جا سکتا ہے، کلکتہ کو اردو نثر کا پہلا باضابطہ مرکز بلکہ علوم و السنہ شرقیہ کا پہلا طباعتی مرکز ہونے کا فخر بھی حاصل ہے، نیز بنگال کے ہندو شعراء کی اردو غزل گوئی کو اس لحاظ سے اہمیت دی گئی ہے کہ یہ اردو غزل کی روایت کی تقلید و ترویج کی عمدہ مثالیں ہیں، الفاظ اور ان کی ماہیت کے متعلق بحث و گفتگو سے لائق مصنف کے لسانیاتی ذوق و شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔

نشے کی لت موت کا سایہ از جناب اکرام اللہ، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۴۸، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ:

اودھ بک سینٹر ۱۳۰/۹۶، گنیش گنج، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸۔

انسان کی تباہی گمراہی میں شیطان کا ایک موثر ہتھیار شراب اور نشہ آور اشیا ہیں، عصر حاضر میں یہ برائی دوسری تمام برائیوں کی طرح بے بند و بے مہار ہوگئی ہے، تہذیب جدید نے شراب و منشیات میں خود کو غرق کر لیا ہے اور اب عالم یہ ہے کہ یہ تہذیب خود اپنے ہاتھوں ایک پوری نسل انسانی کی ہلاکت کی ذمہ دار ہوگئی ہے۔ شراب اور اس سے بھی بڑھ کر کوکین، ہیروئن، مری جوانا اور دوسری کئی قاتل ڈرگس کی پیداوار اور عالمی پیمانہ پر ان کی ناجائز فروخت، حکومتوں کے لیے ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے، زیر نظر کتاب کو اس لحاظ سے اولیت حاصل ہے کہ اردو میں اس قدر تفصیل اور جدید ترین معلومات کے ساتھ اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے، تین ابواب میں بالترتیب مے نوشی، نشلی ادویات اور سگریٹ نوشی کی تاریخ، زمانہ حال میں ان کی پیداوار، فروخت و فروغ کے خطرے اور پھر ان کی ہلاکت آفرینیوں کے سدباب کے متعلق مربوط گفتگو کی گئی ہے، البتہ اردو متبادل کی موجودگی میں بعض انگریزی الفاظ مثلاً اسنف، مونوپالی، کرانک اور پروموشن کا غیر ضروری استعمال کھٹکتا ہے، تاجکستان کو تجاکستان، قرغیزیا کو کرگز لکھا گیا ہے، وسط ایشیا کی ریاستوں میں کفاکستان کی ریاست کا علم نہیں، ہریانہ کا ضلع حصار ہے ہسار نہیں، لائق مولف اس سے پہلے غریب تمدن اور دلوں کی خیر جیسی مفید اور بامقصد کتابیں لکھ کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں، یہ کتاب بھی ان کے نام و کام کے لیے باعث خیر و برکت ثابت ہوگی۔

اربابِ اردو تحریر و تصویر کے آئینہ میں

از محترمہ اسماء رفعت حسین، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۱۲،

قیمت ۷۵ روپے، پتہ: اردو محل پبلشرز، ۹۱ باغ منو، نیا گاؤں، لکھنؤ، یوپی۔

اردو کے ممتاز و معروف اہل قلم کی تصویروں اور ان کی تحریروں کے نمونوں کا یہ انوکھا مجموعہ دراصل حوصلہ مند مولفہ کی محنت و جاں کاہی اور حسن انتخاب کا خوبصورت مرقع ہے، اس کتاب کے پہلے حصہ کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی تھی جس میں قریب اسی اہل قلم شامل تھے، زیر نظر دوسرا حصہ ایک سو چالیس ارباب علم و فضل کی تصویر و تحریر اور ان کے مختصر سوانح سے مزین ہے، اس سہ رنگ آئینہ خانہ میں سوانح و علمی خدمات کو جس سلیقہ، اختصار اور جامعیت سے پیش کیا گیا ہے وہ حد درجہ قابل تعریف ہے، بجا طور پر اس کاوش کو حوالہ جاتی کتاب کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، توقع ہے کہ حصہ اول کی طرح یہ دوسرا حصہ بھی اپنی افادیت و جامعیت کی وجہ سے مقبول عام ہوگا۔

مولانا مودودی کے خطوط

از جناب سید امین الحسن رضوی، چھوٹی تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۱۰۲، قیمت ۱۰ روپے، پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی، ۳۵۳۱ بازار چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی داعی و مفکر اسلام کی حیثیت سے مشہور ہیں، انکا ایک بڑا وصف انکا شگفتہ، دلکش، ٹھوس اور سلیس انداز نگارش بھی ہے، ان کے مکاتیب بھی اس خوبی سے خالی نہیں، زیر نظر مکاتیب ان کے ایک محب صادق کے نام ہیں جنھوں نے ان کو محفوظ رکھا اور اب شایع کر دیا ہے، یہ نجی خط و کتابت ہے، لیکن افادہ عام سے خالی نہیں، بعض علمی و فقہی نکات اور دعوت اسلام کے متعلق مولانا مرحوم کے جذبات کے علاوہ ماش کی دال دہلی کے فیض الحسن کے گاجر کی تری اور کرکٹ کمنٹری کا ذکر بھی ملتا ہے، مکتوب الیہ نے ہر خط پر توضیحی تحریر بھی دی ہے، نیز مولانا سے اپنے ربط و تعلق کی داستان بھی تفصیل سے

سنائی ہے، اس کا مقدمہ مولانا نصر عمری کے قلم سے ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔

اعلام الفتیہ باحکام اللحیہ معروف بہ داڑھی کی شرعی حیثیت

از جناب مولانا حفظ الرحمن اعظمی، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۷، قیمت ۱۰ روپے

پتہ: اسلامک بک ہاؤس، ابراہیم پور، پوسٹ آفس دیوکلی ترن، اعظم گڑھ، یوپی۔

داڑھی رکھنے کے امر واجب کی تعمیل میں علماء اس مسئلہ پر مختلف الرائے ہیں کہ مطلق ارسال مطلوب و مستحب ہے یا اصلاح لحیہ کی بھی گنجایش ہے، اس مختصر رسالہ میں روایات و آثار صحابہؓ اور اقوال ائمہ اربعہؒ کی روشنی میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک مطلق ارسال لحیہ واجب نہیں، اس سے پہلے لائق مولف نے مسنون دعاؤں کا ایک مفید مجموعہ شایع کیا تھا، وہ ایک متدین، باصلاحیت اور سنجیدہ مزاج عالم ہیں لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بحث ایک خاص مسلک کی تردید میں ہے اور گو عام انداز متوازن و معتدل ہے تاہم کہیں کہیں شدت میں بعض نامناسب اور غیر ضروری جملے بھی جزو بحث بن گئے ہیں، ان سے احتراز ممکن و مناسب تھا۔

دی موسک آف کورڈوبا

مترجم جناب سلیم اے گیلانی، نفیس ترین کاغذ اور دیدہ زیب طباعت، صفحات ۴۶، قیمت درج نہیں، پتہ: اقبال اکیڈمی، ایوان اقبال، لاہور، پاکستان۔

علامہ اقبال کی شاہکار نظم مسجد قرطبہ محتاج تعارف نہیں، اپنے موضوع کی طرح یہ نظم بھی جلال و جمال، حسن و رعنائی اور کیف و اثر کا عجیب امتزاج ہے، زیر نظر انگریزی ترجمہ میں کوشش کی گئی ہے کہ معنی کے ساتھ اصل روح بھی منتقل ہو جائے۔

ع۔ ص۔